ونا کا کے قیدی
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۶۴

مونا کا کے قیدی

اشتیاق احمد

نام ناول ـــــ موناکا کے قیدی
طابع ـــــ اشتیاق احمد
مطبع ـــــ زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور
طباعت سرورق ـــــ پریم پرنٹرز، لاہور
آرٹسٹ ـــــ محمد جاوید چغتائی، لاہور
کتابت ـــــ محمد سعید نامدار، رائیونڈ
قیمت ـــــ ۶/۵۰ روپے
سالانہ قیمت ـــــ ۳۵۰/۰۰ روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد ـــ مسلم پورہ ـــ سانده کلاں ـــ لاہور

حدیث شریف

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو اپنے اصحاب میں سے کوئی کام دے کر بھیجتے تو فرماتے : خوش خبری سناؤ اور نفرت مت پھیلاؤ اور آسانی پیدا کرو اور دشواری مت ڈالو۔

(صحیح مسلم)

دو باتیں

السلام علیکم !

چھوٹے خاص نمبر پہلے بھی اچانک ہی لکھے جاتے رہے ہیں۔ اور آپ انھیں پڑھ پڑھ کر خوش ہوتے رہے ہیں، اس بار پھر آپ کی خوشی کا سامان ہو گیا۔ اس سلسلے میں میری اپنی کوئی مرضی نہیں تھی۔ مجھے تو معلوم تک نہیں تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ بہرحال اب تو جو ہونا تھا ہو گیا۔ آپ کو "موناکا کے قیدی" کے فوراً بعد "موناکا کے دیس میں" پڑھنے کے لیے پَر تولنے پڑیں گے۔ یا یوں کہہ لیں کہ پاپڑ بیلنا پڑیں گے۔ چھوٹے خاص نمبروں کی تعداد بھی بڑے خاص نمبروں کے قریب آتی جا رہی ہے۔ دعا کریں۔ یہ بھی ان کے برابر برابر چلیں۔

ہمارے ملک کے حالات کسی کروٹ نہیں بیٹھ رہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ انھیں بیٹھنے نہیں دیا جا رہا۔ آپ سب مل کر یہ دعا بھی کریں کہ جو لوگ ہمارے ملک کو توڑنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو توڑے۔ اور ذرا چوکس بھی رہیں۔ وطن کی محبت کی بات لوگوں میں پھیلائیں۔ کیوں کہ ملک نہیں ہو گا تو ہم کہاں ہوں گے۔ توڑنے والے تو بڑی طاقتوں کے پروں کے نیچے جا پناہ لیں گے۔ اللہ وہ دن نہ لائے۔ آمین !

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

وقتی چھٹکارا

مہمان کو ایر پورٹ کے اندر داخل ہوتے پریشان نظروں سے دیکھتے ہوئے انسپکٹر جمشید ان سے بولے:

"آؤ بھئی چلیں۔"

"مہمان ہمارے ملک سے رخصت ہو رہا ہے، لیکن آپ ابھی تک فکر مند ہیں۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہاں فرزانہ — تین دن تک میں بہت اُلجھن محسوس کرتا رہا ہوں — اور مہمان کے رخصت ہونے پر میری اُلجھن اور بڑھ گئی ہے۔"

"جب کہ آپ ہر طرح اطمینان کر چکے ہیں کہ مہمان غلط آدمی نہیں تھا۔" محمود نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے — لیکن اس کے باوجود میری چھٹی حس کہتی ہے کہ یہ غلط آدمی تھا — خیر — گھر چل کر دیکھتے ہیں —"

وہ کار میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ تین دن پہلے بیرونِ ملک سے انسپکٹر جمشید کے ایک دوست کا فون آیا تھا۔ اس دوست نے بتایا تھا کہ اس کا ایک دوست ان کے ملک کسی کام کی غرض سے آ رہا ہے۔ تین دن تک وہ ان کے ہاں قیام کرے گا۔ فون کرنے والا انسپکٹر جمشید کا قریبی دوست تھا۔ اس کا نام عرفان مجید تھا۔

عرفان مجید ان کا بچپن کا دوست اور کلاس فیلو تھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ملک سے باہر چلا گیا تھا اور اب دور دراز کے ایک ملک میں ملازمت کرتا تھا۔ کبھی کبھار اس کا فون آ جایا کرتا تھا، اس بار جو فون آیا تو اس میں اس نے اپنے دوست کا ذکر کیا۔ انسپکٹر جمشید کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اسی شام مہمان آ پہنچا۔ وہ ایر پورٹ سے اسے گھر لے آئے۔ لیکن نہ جانے کیوں۔ انسپکٹر جمشید مہمان کو دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ اس کا نام مونا کا تھا۔ مہمان کو کھانا کھلانے کے بعد اس کے کمرے میں داخل کر دیا گیا اور پھر انسپکٹر جمشید نے اپنے دوست عرفان مجید کو فون کیا۔ سلسلہ ملنے پر انھوں نے کہا:

"ہیلو عرفان۔ کیا تم نے مجھے آج صبح فون کیا تھا؟"

"بالکل کیا تھا۔" اس نے دوسری طرف سے کہا۔

"اور اس میں کسی دوست کے میرے ہاں قیام کرنے کی بات کی تھی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ کیا مونا کا یہاں نہیں پہنچا؟"

"پہنچ گئے ہیں۔ مہربانی فرما کر ان کا حلیہ بتاؤ۔" وہ بولے۔

"حلیہ بتاؤں۔ کیا مطلب؟"

"مونا کا کی شکل اور صورت بتاؤ۔"

"وہ لمبے قد کا۔ بڑی بڑی نیلی آنکھوں والا آدمی ہے، اس کے بال سنہری ہیں، ناک قدرے لمبی، ہونٹ پتلے، چہرہ لمبوترا۔ ٹھوڑی نوک دار۔"

"ہوں! میرے ہاں جو صاحب آئے ہیں۔ بالکل اسی حلیے کے ہیں۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ تم تک بالکل ٹھیک آدمی پہنچا ہے۔" عرفان مجید نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ اچھا بھئی۔ اللہ حافظ۔" انھوں نے کہا اور پھر ریسیور رکھ دیا۔

"اس فون کے باوجود آپ کا اطمینان نہیں ہوا۔" فرزانہ

نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں فرزانہ۔ تم ٹھیک سوچ رہی ہو۔ میری چھٹی حس مجھے بار بار خبردار کر رہی ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ ہم مہمان پر کڑی نظر رکھیں گے۔ اگر وہ غلط آدمی ہوا تو ہم بہت جلد معلوم کر لیں گے۔" محمود نے کہا۔

لیکن۔ تین دن بخیریت گزر گئے۔ کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ مہمان میں وہ کوئی ایسی ویسی بات نہ پا سکے۔ اور پھر اس کی رخصتی کا وقت آ گیا۔ چلتے وقت اس نے گرم جوشی سے شکریہ ادا کیا اور پھر وہ اسے لے کر ایئرپورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب وہ گھر واپس جا رہے تھے۔

گھر پہنچ کر انھوں نے ایک ایک چیز کا جائزہ لیا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی۔ کوئی چیز نہیں اڑائی گئی تھی۔

"اب میں کیا کروں۔" انسپکٹر جمشید الجھن کے عالم میں بولے۔

"آرام۔" فاروق بولا۔

"بے تکی بات کہے بغیر رہ نہیں سکتے تم۔" محمود نے اسے گھورا۔

"نہیں محمود۔ فاروق نے بے تکی بات نہیں کہی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"میں واقعی آرام کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں، ذہنی تھکن ہو گئی ہے بہت۔ تین دن یک ذہن لڑاتا رہا ہوں، لیکن بات کوئی نہیں سوجھ سکی۔"

"ذہنی تھکن دور کرنے کی ترکیب میں بتا دیتا ہوں۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"وہ تو تم پہلے ہی بتا چکے ہو۔ آرام۔" محمود نے جل کر کہا۔

"نہیں۔ وہ ذہنی تھکن دور کرنے کی ترکیب کے سلسلے میں نہیں بولا تھا۔" اس نے کہا۔

"خیر بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"انکل خان رحمان اور پروفیسر انکل کو یہاں بلا لیں۔ گھر میں خوب رونق اور چہل پہل ہو جائے گی اور اس طرح آپ کی ذہنی تھکن دور ہو جائے گی۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"میرے خیال میں تو اس طرح ذہنی تھکن اور بڑھ جائے گی۔" محمود نے کہا۔

"نہیں بھئی ۔ فاروق کا خیال ٹھیک ہے ۔ چلو فاروق تم ہی فون کرو انھیں ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ۔ محمود اور فرزانہ حیرت زدہ رہ گئے ۔ انھوں نے فاروق کو تیز نظروں سے دیکھا ۔ وُہ مسکرایا اور فون کی طرف بڑھ گیا ۔

"ہیلو انکل ۔ فاروق بول رہا ہوں ۔"

"شکر ہے کہ تم بول رہے ہو ۔" دُوسری طرف سے خان رحمان کی آواز سنائی دی ۔

"یہ کیا بات ہوئی انکل ۔ اگر میری جگہ محمود یا فرزانہ بول رہے ہوتے تو کیا ۔"

"اس صُورت میں بھی مَیں شکر ہی ادا کرتا ۔ لیکن اگر فون کسی اور جگہ کا ہوتا تو اس صُورت میں مَیں ضرور جھنجلاہٹ کا شکار ہو جاتا ۔"

"ایسی کیا بات ہو گئی انکل ۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا ۔

"صبح سے اس وقت تک کوئی اکیس بائیس رانگ نمبر فون آ چکے ہیں ۔"

"اوہ ۔ یہ تو آپ کے ساتھ واقعی بہت ظلم ہے ۔"

"ہاں ! اسی لیے میں نے شکر ادا کیا تھا ۔"

"خیر انکل ۔ جہاں تک اللہ کا شکر ادا کرنے کی بات ہے ، تو ہر وقت ہی شکر کرتے رہنا چاہیے ۔"

"بالکل ٹھیک ۔ ایک اور مصیبت ہے ۔" انھوں نے بھی الجھن کے عالم میں کہا ۔

"یہ ۔ ظہور کا بچہ ۔"

"جی ۔ تو ۔ تو کیا انکل ظہور کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے ۔" فاروق نے چلّا کر کہا ۔

"ارے ۔" محمود اور فرزانہ کے منہ سے نکلا ۔

"بھئی واہ ۔ مزے کی خبر ہے ۔ میری طرف سے بھی مُبارک باد دے دینا ۔" بیگم جمشید نے باورچی خانے سے نکلتے ہوئے کہا ۔

"نہیں بھئی ۔ تم غلط سمجھے ۔ ظہور نے آج پھر ۔" وُہ کہتے کہتے رُک گئے ۔

"مَیں سمجھ گیا انکل ۔ اب آپ انکل ظہور کو کان پکڑوائیں گے ۔"

"قدرتی بات ہے ۔" دُوسری طرف سے کہا گیا ۔

"اوہ ۔ آج تو اسے کان نہیں پکڑوانے چاہییں ۔ بے چارے کے ہاں لڑکا ہوا ہے ۔"

"آپ غلط سمجھیں ۔" فاروق نے ریسیور پر ہاتھ رکھے بغیر کہا ۔

"کیا کہا ۔ میں غلط سمجھی ۔ یہ تم نے مجھے عورت کب سے سمجھ لیا ۔" خان رحمان بوکھلا اُٹھے ۔

"نن۔ نہیں۔ یہ بات نہیں۔" فاروق نے گڑبڑا کر کہا۔

"تو پھر۔ کیا بات ہے۔" بیگم جمشید نے آنکھیں نکالیں اور فاروق گھبرا گیا۔

"بس۔ کر چکے تم تو فون۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"لیکن اس بے چارے کا بھی کیا قصور۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"سنیے انکل۔ میں آپ کو بہترین حل بتاتا ہوں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"ب۔ بہترین حل۔ لیکن کس چیز کا؟" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"رانگ نمبر فون اور انکل ظہور سے چھٹکارا حاصل کرنے کا حل۔"

"لیکن بھئی۔ میں نے ظہور سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بارے میں تو کبھی سوچا بھی نہیں۔"

"آپ پھر غلط سمجھے انکل۔ یہ وقتی چھٹکارے کی بات ہو رہی ہے۔"

"اوہ تب تو ٹھیک ہے۔ جلدی بتاؤ۔"

"آپ فوراً ہمارے ہاں آ جائیں۔ ابا جان کی بھی یہی خواہش ہے۔"

"یہ تم کیا کر رہے ہو بھئی۔ جمشید کی خواہش اور یہ۔"

"جی ہاں! بس آپ آ جائیں۔"

"آنا ہی ہوگا۔" انھوں نے گنگنا کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

اب فاروق نے پروفیسر داؤد کے نمبر ملائے:

"ہیلو انکل۔ آپ نے میری آواز تو پہچان ہی لی ہو گی۔"

"ابھی نہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"جی۔ کیا مطلب۔ ابھی نہیں۔"

"ہاں۔ ابھی نہیں۔ اس وقت میں بہت الجھن میں ہوں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اوہو۔ تو آپ بھی الجھن میں ہیں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے۔ اور کون کون الجھن میں ہیں؟" انھوں نے پوچھا۔

"ابا جان۔ انکل خان رحمان۔ اور ہم۔"

"پھر تو آج الجھن ڈے منانا چاہیے۔" پروفیسر داؤد چہک اٹھے۔

"جی ہاں! میں نے یہی پروگرام سوچا ہے۔ اور اسی لیے آپ کو فون کر رہا ہوں۔ انکل خان رحمان کو پہلے ہی فون کر چکا ہوں۔ بس آپ تشریف لے آئیں۔"

اُلجھن ڈے خود بخود شروع ہو جائے گا۔"

"خود بخود کیسے شروع ہو جائے گا بھئی۔ ہم منائیں گے تو شروع ہو گا نا۔"

"چلیے یوں ہی سہی۔ آپ آ تو رہے ہیں نا۔"

"میں تو پہلے ہی آنے پر اُدھار کھائے بیٹھا ہوں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اُدھار کھائیں آپ کے دشمن۔ ایسی بھی کیا بات ہو گئی انکل۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"بھئی۔ یہ ذرا محاورۃً اُدھار کی بات ہے۔"

"اوہ۔ تب تو ٹھیک ہے۔ شوق سے کھائیں۔ لیکن آ جائیں۔"

"ہاں! آ رہا ہوں۔ فکر نہ کرو۔"

بیس منٹ بعد دونوں ان کے گھر میں موجود تھے۔ اور آوازوں کی ایک کھچڑی سی پک رہی تھی۔ ایسے میں خان رحمان نے بلند آواز میں کہا:

"آخر تمھیں کیا اُلجھن ہے جمشید؟"

"مہمان کی اُلجھن۔" وہ بولے۔

"اب جب کہ وہ جا چکا ہے۔ اور یہاں سے کوئی چیز بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوئی۔ تو فکر اور اُلجھن کی کیا بات

"ہاں! میں نے خود کو بار بار یہ بات سمجھائی ہے، لیکن کیا کروں۔ ذہنی اُلجھن بڑھتی ہی جاتی ہے۔"

"لیکن جمشید۔ ہمارے آنے کے بعد تو اسے گھٹتے جانا چاہیے، ورنہ ہمارے آنے کا کیا فائدہ۔" پروفیسر داؤد بولے۔

اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"میرا خیال ہے۔ ہمیں کوئی خوب صورت سا پروگرام ترتیب دینا چاہیے۔" فاروق نے کہا۔

"بات واقعی خوب صورت ہے۔" پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا۔

"بھئی آج تم نے اُٹھ کر کس کا چہرہ دیکھا تھا۔ ہر بات تمھارے منہ سے خوب صورت نکل رہی ہے۔" محمود نے جل کر کہا۔

"اپنا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

اور وہ پھر مسکرا دیے۔

"لیکن مشکل ایک اور ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اور وہ کیا؟"

"جوں ہی ہم کوئی پروگرام بنائیں گے۔ کوئی نہ کوئی کیس کود پڑے گا۔"

"تب پھر۔ بہتر یہ ہے کہ پروگرام سرے سے بنایا ہی

نہ جائے۔ پروگرام کے بغیر ہی پروگرام جاری رکھا جائے۔" پروفیسر
نے شوخ لہجے میں کہا۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ محمود نے آگے بڑھ
کر ریسیور اُٹھایا۔ سب لوگ خاموش ہو گئے اور محمود کے
چہرے کی طرف دیکھنے لگے۔ ادھر محمود نے کہا:

"ہیلو۔"

"انسپکٹر جمشید پلیز۔" دوسری طرف سے دبی آواز میں کہا گیا۔

"ہولڈ کیجیے۔" محمود نے کہا اور پھر ان سے بولا:

"ابا جان۔ آپ کا فون۔"

"کون ہے؟" وہ بولے۔

"معلوم نہیں۔ نام نہیں بتایا۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر ریسیور لے لیا اور بولے:

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"اوہ۔ جمشید۔ یہ میں ہوں۔ تم نے میری آواز تو پہچان
ہی لی ہو گی۔ بس چُپ چاپ چلے آؤ۔ میں ہولناک
قسم کا خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔ کسی کو بھی میرے بارے
میں کچھ نہ بتانا۔ ورنہ دُشمن کامیاب ہو جائیں گے۔"

انسپکٹر جمشید نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ فون کرنے والے کی
آواز کو بخوبی پہچانتے تھے۔ ان کا نام ڈاکٹر بخاری تھا۔

"مجھے فوری طور پر جانا پڑ گیا ہے۔ جلد ہی لوٹ آؤں
گا۔ آپ سب مل کر اتنے میں کوئی پروگرام ترتیب دے لیں۔"

یہ کہتے ہی وہ باہر کی طرف لپکے۔

"لیکن ابا جان۔ آپ جا کہاں رہے ہیں۔ یہ تو بتاتے
جائیں۔"

لیکن انھوں نے جیسے سُنا ہی نہیں۔ نکلتے چلے گئے۔ ان
سب کے مُنہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

چکر پروف

ڈاکٹر بخاری نے فون کا ریسیور رکھ دیا اور اُوپر پہنچ کر خوف زدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا - وُہ چاروں اب انھیں گھر کے باہر کہیں بھی نظر نہ آئے - وُہ اس وقت گھر میں بالکل تنہا تھے - ان کے گھر کے تمام افراد ایک شادی میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے - ایک گھنٹا پہلے جب وُہ چھت پر گھومنے کے لیے چڑھے تو انھوں نے گھر کے ایک کونے کی طرف ایک خوف ناک شکل والے آدمی کو کھڑے دیکھا - اس کے ہاتھ میں بم نما کوئی چیز تھی - وُہ گھبرا کر مُڑے تو دُوسرے کونے پر بھی ایک خوف ناک آدمی کھڑا نظر آیا - اس کے ہاتھ میں ایک پستول تھا - وُہ پریشان ہو کر تیسری طرف مُڑے - وہاں بھی ایک شخص موجود تھا، اس کے ہاتھ میں خنجر تھا - ڈرتے ہوئے انھوں نے چوتھی سمت میں دیکھا - وہاں بھی ایک گینڈے کی طرح پلا

ہوا آدمی کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں رائفل تھی - ان چاروں کے منہ ان کی طرف تھے - وُہ کانپتے ہوئے نیچے اُترے - تمام دروازے اندر سے بند تھے، لیکن پھر بھی ان پر خوف سوار ہوتا جا رہا تھا - آخر انھیں انسپکٹر جمشید کا خیال آیا - انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور فون کر ڈالا — لیکن اب چھت پر پہنچ کر جو انھوں نے چاروں طرف دیکھا تو ان میں سے کوئی بھی نہیں تھا - انھیں بہت حیرت ہوئی:

"گگ - کہیں میں نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا تھا - اب میں انسپکٹر جمشید کو کیا جواب دوں گا - وُہ تو اب تک روانہ بھی ہو چکے ہوں گے - لیکن - شاید - وُہ ابھی تک روانہ نہ ہوئے ہوں - مجھے فون کر کے معلوم کر لینا چاہیے - ضرور مجھے وہم ہوا تھا۔"

وُہ بڑبڑائے اور جلدی جلدی نیچے اُترے - ابھی انھوں نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ کسی نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا - وُہ بوکھلا کر مُڑے - اور پھر انھوں نے اپنی رگوں میں خون جمتا محسوس کیا:

"نہیں ڈاکٹر صاحب - اب فون نہ کریں۔"

"گگ - کون - کون ہو تم؟"

"صرف میں نہیں — میرے تین ساتھی بھی ہیں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"اور وہ یہ رہے۔" ایک طرف سے آواز آئی۔

ڈاکٹر بخاری گھبرا کر مڑے۔ اب انھوں نے اس کے تینوں ساتھیوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا:

"تت — تم — تم کیا چاہتے ہو؟"

"اس گھر کا صفایا کرنا۔"

"ٹھ — ٹھیک ہے — جو تمھیں ملے — لے جاؤ — میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔" وہ بولے۔

"اور تم — اعتراض کرنے کی پوزیشن میں ہو بھی نہیں ڈاکٹر" ایک نے مسکرا کر کہا۔

"آخر — تم کیا چاہتے ہو۔"

"بہت کچھ — پہلی بات تو یہ کہ تمھاری موت چاہتے ہیں" دوسرا سفاک لہجے میں بولا۔

"نن — نہیں۔" وہ ہکلائے۔

"اور دوسری بات یہ کہ اس گھر کو پوری طرح لوٹنا چاہتے ہیں۔"

"مم — میں کہہ چکا ہوں — خوشی سے لوٹ لو۔" انھوں نے کہا۔

"تیسری بات یہ کہ ہم اس گھر کو آگ لگانا چاہتے ہیں۔"

"اس سے تمھیں کیا فائدہ ہوگا؟"

"یہ ہم جانتے ہیں۔" تیسرے نے کہا۔

"لیکن تم یہ سب کیوں کرنا چاہتے ہو، مجھ سے تمھیں کیا دشمنی ہے یا میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے؟"

"بہت پرانی دشمنی ہے۔" چوتھے نے کہا۔

"میں نے زندگی میں پہلی بار تم لوگوں کو دیکھا ہے — میں نے کبھی کسی کے ساتھ کوئی برائی نہیں کی — اور تم کہہ رہے ہو کہ بہت پرانی دشمنی ہے — یہ — یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"بس کسی نہ کسی طرح ہو ہی سکتا ہے۔"

"اور — تم اندر کس طرح داخل ہوئے؟"

"صدر دروازے کے ذریعے — بند دروازہ ہمارے خوف سے کھل گیا تھا۔"

عین اسی وقت قدموں کی آواز گونجی — اور پھر ڈاکٹر بخاری کے چہرے پر رونق دوڑ گئی:

"اوہ جمشید — تم آ گئے — کتنے اچھے وقت پر آئے — میں بتا نہیں سکتا۔"

"پریشان نہ ہوں ڈاکٹر صاحب۔" انھوں نے کہا اور پھر

ان کی طرف مڑے:

"ہاں بھئی — تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

"ڈاکٹر صاحب کو بتا چکے ہیں۔" ان میں سے ایک نے منہ بنا کر کہا۔

"مجھے بھی بتا دو — کوئی حرج نہیں۔"

"تم کون ہو؟" ان میں سے ایک نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ڈاکٹر صاحب کا ہمدرد۔"

"تو پھر ہمدردی کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" یہ کہتے ہی ان میں سے ایک نے ان پر چھلانگ لگا دی — لیکن منہ کے بل فرش پر گرا —

"بہت خوب جمشید۔" ڈاکٹر بخاری نے بچوں کے انداز میں تالی بجائی —

"ابھی کیا ہے ڈاکٹر صاحب — ابھی تو آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں بالکل — آگے آگے ہی تو پتا چلے گا۔" یہ کہتے ہوئے دوسرا ان پر حملہ آور ہوا۔ انھوں نے بلا کی تیزی سے اسے جھکائی دی — وہ اپنی ہی جھونک میں دیوار سے جا ٹکرایا۔

"بھئی ذرا ہوشیاری سے، یہ عام آدمی جان نہیں پڑتا۔"

"اب تم نے درست اندازہ لگایا ہے — لہٰذا خاص آدمی

جانتے ہوئے حملہ کرو — ذرا دیکھوں تو سہی — اس صورت میں تم کیا کرتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں — میں آ رہا ہوں۔" تیسرے نے کہا اور اونچی چھلانگ لگائی — فوراً انسپکٹر جمشید کے بالکل قریب فرش پر آ رہا اور ساتھ ہی اس نے دائیں پیر کی ٹھوکر ان کی پنڈلی پر دے ماری — لیکن انسپکٹر جمشید تو پہلے ہی تیار تھے — ان کے دونوں ہاتھ فوراً اس کے پیر پر جم گئے، دوسرے ہی لمحے انھوں نے اس کے پیر کو مروڑ دیا — وہ اُلٹ کر گرا — اس کا سر فرش سے ٹکرایا۔

"تو یہ تھا وہ حملہ — جو ہوشیار رہ کر کیا گیا۔"

"بہت چالاک لگتے ہو دوست — لیکن بات صرف اتنی سی ہے کہ تمھارا ستارہ گردش میں آ چکا ہے۔"

"ارے میاں جاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے مکھیاں اڑانے والے انداز میں ہاتھ ہلایا۔

چوتھے آدمی نے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈال لیے — ہاتھ جب باہر نکلے تو ان میں دو خنجر تھے۔ چمک دار پھل والے خنجر — وہ انھیں لہراتا ہوا ان کی طرف بڑھا — انسپکٹر جمشید اس کے انداز کو دیکھ کر ہنس پڑے — انداز کسی ماہر کا نہیں — اناڑی کا تھا۔

"مَیں سمجھ گیا۔" وہ ہنس کر بولے۔

"لیکن - کیا سمجھ گئے؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ کہ تمھیں کرائے پر لیا گیا ہے۔"

"اے - کیا بکواس ہے۔" ایک نے بھنّا کر کہا۔

"ہم تمھیں کرائے کے غنڈے نظر آتے ہیں۔" دُوسرے نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"ہم تمھارے خیال کو غلط ثابت کر دیں گے - اپنے پیچھے دیکھو۔"

"میں ایسی بے وقوفی کرنے کا عادی نہیں - اِدھر مَیں پیچھے مُڑ کر دیکھوں گا، اُدھر تم چاروں مل کر مجھ پر چھلانگ لگا دو گے۔" انھوں نے مُسکرا کر کہا۔

"اچھی بات ہے - تمھاری مرضی - نہ دیکھو مُڑ کر - ہمارا کیا جاتا ہے - تمھارا اپنا ہی نقصان ہے۔" ایک نے جلدی جلدی کہا۔

اچانک انسپکٹر جمشید نے محسوس کیا - اس کے انداز میں کوئی بات ضرور ہے - وہ پیچھے مُڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئے۔

پھر جوں ہی مُڑے - دھک سے رہ گئے۔

"کیا خیال ہے - کس کا فون تھا؟" محمود بڑبڑایا۔

"کسی مصیبت زدہ کا - ایسے فون ابّا جان کو ملتے ہی رہتے ہیں۔" فارُوق نے کہا۔

"ہاں! ہمیں تو چاہیے - پروگرام کی طرف توجہ دیں - تاکہ ابّا جان کے آنے سے پہلے پہلے کوئی پروگرام طے ہو جائے۔" فرزانہ بولی۔

"بھئی پروگرام کا کیا ہے - کچھ بھی بنایا جا سکتا ہے۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"لیکن بھئی - بنایا اس احتیاط سے جائے کہ کوئی چکر نہ چل سکے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ احتیاط ان کے ذمّے لگا دیتے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"ویسے تو میرا ایک اندازہ ہے۔" محمود نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"چلو - تم اپنا اندازہ بھی بتا دو۔" فارُوق جلدی جلدی بولا۔

"یہ کہ جب ابا جان لوٹیں گے۔ تو ان کی ذہنی اُلجھن دُور ہو چکی ہو گی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"یہ میرا اندازہ ہے۔ جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔" محمُود نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ تم کوئی پروگرام وروگرام نہیں بنا پاؤ گے اور جمشید لوٹ آئے گا۔" پروفیسر داؤد نے منہ بنا کر کہا۔

"کوشش تو پوری پوری کر رہے ہیں انکل۔" فارُوق نے مُسکرا کر کہا۔

"پوری پوری کوشش اس طرح کی جاتی ہے۔"

"جی۔ تو پھر آپ بتا دیں۔ کس طرح کی جاتی ہے۔"

"بھئی۔ سب سر جوڑ کر بیٹھیں۔ پندرہ منٹ تک غور کریں۔ اور پھر اپنا اپنا فیصلہ سُنائیں۔" پروفیسر داؤد نے مشورہ دیا۔

"یہ بہت اچھی ترکیب ہے۔" خان رحمان نے چہک کر کہا۔

"تو پھر۔ پہلے سر جوڑے جائیں۔" فرزانہ مُسکرائی۔

سر جوڑنے کے سلسلے میں جو وُہ ایک دُوسرے کے نزدیک ہوئے تو سر آپس میں ٹکرائے:

"یہ موسم ناریلوں کا تو نہیں ہے۔" فارُوق نے جھلّائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کبھی کبھی بے موسمی پھل بھی آ جاتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

اور پھر وُہ سوچ میں گم ہو گئے۔ دس منٹ اسی عالم میں گزر گئے۔ ایسے میں بیگم جمشید کسی ضرورت کے تحت باورچی خانے سے نکلیں اور چونک کر بولیں:

"ارے۔ یہ آپ سب کو کیا ہو گیا ہے۔"

"آپ کو نہیں معلوم امّی جان۔ ہم سر جوڑے بیٹھے ہیں، یعنی غور و فکر کر رہے ہیں۔" فارُوق بولا۔

"لیکن کس بات میں۔"

"ہائیں۔ ہم کس بات میں غور کر رہے ہیں۔" فارُوق نے گھبرا کر کہا۔

"لو۔ اتنا بھی یاد نہیں۔ تو پھر بیٹھے کیوں ہو۔" فرزانہ نے بھنّا کر کہا۔

"بیٹھا تو اس لیے ہُوں کہ سب بیٹھے ہیں۔"

"بھئی ہم کوئی ایسا پروگرام سوچ رہے ہیں جس میں کوئی چکر نہ چل سکے۔"

"تو چکر پروف پروگرام کہیے نا۔" بیگم جمشید نے شوخ لہجے میں کہا اور وُہ ہنس پڑے۔

"آپ نے سب گڑبڑ کر دیا امی جان۔" فاروق بولا۔

"کیا خاک گڑبڑ کر دیا۔ تمھیں تو یہ تک یاد نہیں تھا کہ کس لیے سر جوڑے بیٹھے ہو۔"

"بالکل ٹھیک امی جان۔ ویسے میرا خیال ہے۔ آپ بھی اس پروگرام میں شریک ہو جائیں۔"

"کک۔ کون سے پروگرام میں؟"

"اسی سر جوڑنے والے پروگرام کی بات کر رہا ہوں۔"

"اور اندر جو میں کھیر گھوٹ رہی ہوں۔"

"ارے واہ۔ مزا آگیا۔" خان رحمان نے چٹخارہ لیا۔

"کھیر کھانے سے پہلے ہی مزا آگیا۔ اب کھیر کیا کھاؤ گے خان رحمان۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"میں تو چلی۔ کہیں کھیر لگ نہ جائے۔" انھوں نے کہا اور باورچی خانے کی طرف مڑ گئیں۔

وہ پھر سوچ میں ڈوب گئے۔ لیکن پندرہ منٹ تو کیا پینتالیس منٹ تک سوچتے رہنے کے بعد بھی کوئی چکر پروف پروگرام سمجھ میں نہ آ سکا۔ ان پر جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی۔ ایسے میں دروازے کی گھنٹی بجی:

"ابا جان آگئے۔" فرزانہ چلا اٹھی۔

محمود دروازے کی طرف دوڑا۔ اور پھر اس نے درو

کھول دیا۔

"ارے! یہ کیا؟" انھوں نے محمود کی خوف زدہ آواز سنی۔

سب کے سب اٹھ کر دروازے کی طرف لپکے۔ بیگم جمشید بھی کھیر گھوٹنا بھول گئیں۔

بے داغ پروگرام

ان کی نظریں ان کی دائیں پنڈلی پر جم گئیں۔ شلو
پر خون نظر آ رہا تھا:

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ معمولی سا زخم ہے۔ مُ
وہاں ایک خوف ناک لڑائی لڑنا پڑی۔" انسپکٹر جمشید نے مسکر
کر کہا۔

وہ انھیں ان کے کمرے میں لے آئے۔

"ڈاکٹر کو بلائیں ابا جان۔" محمود بولا۔

"ہاں بلا لو۔ کہیں زخم خراب نہ ہو جائے۔" انھوں نے کہا
باقی لوگ بھی ان کے کمرے میں جمع ہو گئے۔ محمود فو
کرنے لگا۔

"ہوا کیا تھا جمشید۔ تم بتائے بغیر چلے گئے تھے۔" پروفیس
داؤد بولے۔

"ڈاکٹر بخاری کو تو جانتے ہی ہیں آپ۔"

"ہاں ہاں۔ وہ تو میرے اور تمھارے والد مرحوم کے بہت
گہرے دوستوں میں سے ہیں۔" پروفیسر جلدی سے بولے۔

"انھوں نے اپنے گھر کے گرد چار غنڈے کھڑے دیکھے
تھے۔ انھوں نے خیال کیا۔ وہ انھیں لوٹنا چاہتے ہیں۔ ایسے
میں انھیں سب سے پہلے میرا خیال ہی آنا تھا۔ بس انھوں
نے مجھے فون کر دیا۔ لیکن میرے وہاں پہنچنے سے پہلے
ہی وہ گھر کے اندر داخل ہو گئے تھے۔ خیر پھر بھی۔ میں
وقت پر پہنچ گیا اور ان چاروں سے ٹکرا گیا، لیکن مجھے
یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ ان کا ایک پانچواں ساتھی
بھی ہے۔ اس نے پیچھے سے وار کیا۔ جس کی وجہ سے
میری پنڈلی زخمی ہو گئی۔ تاہم میں نے اس پر بھی قابو پا
لیا۔ اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لیکن یہ اس کا دھوکا
تھا۔ جوں ہی میں اس کی طرف سے مڑا۔ وہ اٹھ کر بھاگ
نکلا۔ اور اس کے ساتھ اس کے چاروں ساتھی بھی بھاگ
نکلے۔"

"اوہ۔ اور ڈاکٹر بخاری۔"

"وہ ٹھیک ہیں۔"

"لیکن وہ لوگ ان پر پھر بھی تو حملہ آور ہو سکتے ہیں۔"

"میں انھیں ایک محفوظ جگہ پہنچا آیا ہوں اور گھر کو تالا

لگا آیا ہوں ۔ انھوں نے قیمتی چیزیں بھی گھر میں نہیں چھوڑیں
نقدی تو پہلے ہی گھر میں نہیں تھی ۔"

"ہوں ! اس کا مطلب ہے ۔" خان رحمان کہتے کہتے رک
گئے ۔

"کس کا کیا مطلب ہے انکل ۔" فاروق جلدی سے بولا ۔

"یہ کہ کوئی پروگرام نہیں بن سکے گا ۔"

"نہیں بھئی ۔ ایسی بھی کوئی بات نہیں ۔ یہ زخم ایسا نہیں کہ
میں چل پھر نہ سکوں ۔ آپ لوگ شوق سے پروگرام بنائیں ،
میں ساتھ دوں گا ۔"

اور پھر ڈاکٹر انصاری آ گئے ۔ انھوں نے زخم کا جائزہ
لیا ، اس کو صاف کر کے پٹی کی اور بولے :

"یہ دو گولیاں کھا لیں ۔ نیند کی ہیں ۔"

"لیکن ان کی کیا ضرورت ہے ۔" انسپکٹر جمشید نے برا سا
منہ بنایا ۔

"پر سکون نیند آ جائے گی ۔ بیدار ہوں گے تو زخم کی
تکلیف بہت حد تک کم ہو چکی ہو گی ۔"

"بہت خوب ۔" انھوں نے کہا اور گولیاں لے کر منہ میں رکھ
لیں ۔ پھر پانی کا ایک گھونٹ پی لیا ۔

"زیادہ تیز نیند لانے والی تو نہیں ہیں ڈاکٹر صاحب ؟"

"ہاں ! ہیں تو ۔" وہ مسکرائے اور باہر نکل گئے ۔

"اوہ ! ان کے منہ سے نکلا ۔ اور پھر ان کی پلکیں جھکنے
لگیں ۔

"آئیے انکل ۔ ہم بھی باہر چل کر بیٹھیں ۔ اور کوئی پروگرام
ترتیب دیں ۔"

"لل ۔ لیکن ۔ مجھے ساتھ لے کر جانا ۔" انسپکٹر جمشید نے مشکل سے
پپوٹے اٹھاتے ہوئے کہا ۔

"ہاں ! فکر نہ کرو جمشید ۔" خان رحمان نے انھیں تسلی دی ۔

اور وہ کمرے سے نکل آئے ۔ دروازہ بند کر دیا گیا ۔
اب وہ پھر صحن میں آ کر جم گئے اور زور شور سے باتیں
ہونے لگیں ۔

"کچھ بھی کر لیں ۔ کچھ بھی سوچ لیں ۔ بے داغ پروگرام
ترتیب نہیں دیا جا سکے گا ۔" محمود نے گویا اعلان کیا ۔

"بے داغ سے تمھاری کیا مراد ؟" فاروق نے پوچھا ۔

"یعنی ایسا پروگرام جس میں کوئی چکر نہ چلے ۔"

"تو اس میں پروگرام یا پروگرام بنانے والوں کا کیا
قصور ۔ ہم ٹھہرے شکر خور ۔ ہمیں شکر مل کر رہے گی ۔" فرزانہ
نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

"سنو بھئی ۔ جمشید تو اب تین چار گھنٹے سے پہلے ہوش

میں آئے گا نہیں۔ گویا ہمارے پاس بہت وقت ہے۔
ہم مزے سے کھانا بھی کھا سکتے ہیں۔ لذیذ کھیر کا لطف بھی
اُٹھا سکتے ہیں اور اس کے بعد پروگرام پر بھی ذہن لڑا سکتے
ہیں۔" پروفیسر داؤد نے جلدی جلدی کہا۔

"معلوم ہوتا ہے۔ آپ کو بہت زیادہ بھوک لگی ہے۔"
فاروق بولا۔

"بھئی واہ۔ تم نجومی تو نہیں ہو۔" پروفیسر داؤد خوش ہو
کر بولے۔

"امّی جان۔ کھانے میں کتنی دیر ہے۔" فرزانہ چہکی۔

"قطعاً کوئی دیر نہیں ہے۔"

"تو پھر پہلے کھانا ہو جائے۔"

"بلکہ کھانے سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔"

کھانے کے بعد وہ کتنی دیر تک پروگرام بناتے رہے۔
آخر ایک زوردار پروگرام بن ہی گیا۔ اور پھر خان رحمان
نے کہا:

"میرا خیال ہے۔ اب تک جمشید کو جاگ جانا چاہیے۔"

"میں دیکھتی ہوں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا اور اُٹھ کر ان
کے دروازے کی طرف گئی۔ دروازہ انھوں نے باہر سے بند
کر رکھا تھا۔ اس نے چٹخنی گرائی اور دروازہ دھکیلا، لیکن

وہ نہ کھلا:

"ارے۔ یہ دروازے کو کیا ہو گیا۔"

"سو گیا ہو گا یہ بھی۔ بات کیا ہے؟" فاروق نے صحن
میں سے کہا۔

"چٹخنی گرانے کے باوجود کھل نہیں رہا۔"

"کتنی بُری بات ہے۔" محمود بولا۔

"کہیں ہمارے گھر کے دروازے بھی تو جاسوس نہیں ہو
گئے۔" فاروق مسکرایا۔

"شاید ابّا جان کی کسی وقت آنکھ کھل گئی ہو گی۔ اور
نیند کے عالم میں انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا
ہو گا۔"

"تو دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر دیکھ لو نا۔"
خان رحمان نے منہ بنایا۔

"بہت بہتر۔" فرزانہ نے کہا اور دروازے پر دستک
دی، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

پھر فرزانہ نے تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانکا،
دوسرے ہی لمحے وہ زور سے اُچھلی اور اس کے منہ سے
خوف زدہ انداز میں نکلا:

"ارے۔ ابّا جان تو اندر نہیں ہیں۔"

"کیا کہا — اندر نہیں ہیں — یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے:" وُہ
اچھل کر کھڑے ہو گئے —

"اور بائیں باغ والی کھڑکی کھلی پڑی ہے۔" فرزانہ نے
گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا !!" ان کے منہ سے نکلا اور پھر سب بیرونی دروا
کی طرف بھاگے —

چکر کاٹ کر وُہ اس کھڑکی تک پہنچے — اور پھر کمر
میں کود گئے —

انسپکٹر جمشید کمرے میں واقعی نہیں تھے —

"کمرے میں نشانات ضائع نہ ہونے پائیں۔" محمود نے بلند
آواز میں کہا —

"کک — کیا ہوا بھئی؟" بند دروازے سے بیگم جمشید نے
گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"امی جان — آپ بھی بائیں باغ کی طرف سے آجائیں
دروازے کی اندرونی چٹخنی پر ضرور مجرم کی انگلیوں کے
نشانات ہوں گے۔"

"مجرم — کیا مطلب؟"

"صاف ظاہر ہے — ابا جان کو اغوا کیا گیا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا —

"اور اس اغوا میں ضرور ان پانچ غنڈوں کا ہاتھ ہے،
جن سے وُہ ڈاکٹر بخاری صاحب کے ہاں ٹکرائے تھے۔"

"اوہ — ضرور یہی بات ہے — میرا خیال ہے — ہمیں
فوراً ڈاکٹر بخاری صاحب کے گھر کا رُخ کرنا چاہیے۔"

"لیکن وہاں سے تو ابا جان پہلے ہی ڈاکٹر صاحب کو
کہیں اور منتقل کر چکے ہیں — وہاں بھلا اب کیا ملے گا۔"

"بات ٹھیک ہے — لیکن وہاں جا کر دیکھ لینے میں کیا
حرج ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے — ہم تینوں ہو آتے ہیں — آپ لوگ
یہیں ٹھہریے — کیوں کہ یہاں بھی ضرورت ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" خان رحمان بولے۔

وُہ اپنی موٹر سائیکلوں پر بیٹھ کر ڈاکٹر بخاری کے گھر
کی طرف روانہ ہوئے — ان کا گھر انھوں نے دیکھا ہوا تھا —
اور ایک دو بار آ بھی چکے تھے —

ڈاکٹر بخاری کے گھر کے دروازے پر واقعی تالا لگا
ہوا تھا —

"دیکھا — یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔" محمود نے جلدی
سے کہا —

"سوال یہ ہے کہ ہم اب انھیں کہاں تلاش کریں؟"

"پہلے تو انکل اکرام کو اطلاع دینی چاہیے۔ تاکہ وُہ تلا
کرنے والی ٹیمیں اِدھر اُدھر روانہ کر سکیں۔ اور پھر ہم بھی تلا
میں نِکل پڑیں گے۔"

"تو پھر فون ڈاکٹر بخاری صاحب کے ہاں سے ہی کر
ہیں۔" فارُوق بولا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔ اتنا بڑا تالا لگا ہوا نظر نہیں
آرہا کیا۔"

"آرہا ہے۔ ہمارے لیے اندر داخل ہونا کیا مُشکل ہے"
فارُوق نے منہ بنایا۔

"لیکن اس کی ضرورت کیا ہے۔ ہم کہیں سے بھی فون
کر سکتے ہیں۔" محمُود بولا۔

"نہیں۔ ہم اندر سے ہی فون کریں گے۔" فارُوق بھی ضد
پر اڑ گیا۔

"فارُوق۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔" فرزانہ نے بھنّا کر کہا۔

"پتا نہیں۔ ویسے مجھے کچھ نہ کچھ ہو ضرور گیا ہے۔" اس
نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"ہاں! ہم بھی یہی محسوس کر رہے ہیں۔ ہم نے تمہیں
اتنے عجیب موڈ میں کبھی کبھار ہی دیکھا ہے۔"

"بات صرف اتنی سی ہے کہ مجھ پر کام کا بھُوت سوار

ہو گیا ہے۔"

"یا اللہ۔ اب یہ بھُوت فارُوق کے سر پر سے کبھی نہ اُترے۔"
فرزانہ نے دُعا کی۔

"آمین!" محمود بولا۔

"میں پائپ کے ذریعے اندر داخل ہوں گا۔"

"جیسے تمھاری مرضی۔ ویسے ذرا سوچو۔ یہ بات کِس قدر
عجیب معلوم ہوتی ہے کہ صرف فون کرنے کے لیے تم اندر داخل
ہو گئے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں! کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔ سما جو گئی دماغ میں
ایک بات۔"

وُہ مکان کے پچھلے حصّے کی طرف آئے۔ رات کے
گیارہ بج رہے تھے۔ سردیوں کا موسم تھا۔ ہر طرف ہُو
کا عالم طاری تھا۔ ایسے میں فارُوق نے پائپ کے
نیچے جُوتے اُتارے اور اُوپر چڑھنے لگا۔ سرد پائپ نے
اس کے ہاتھوں اور پیروں کے مزاج پُوچھ ڈالے۔ اسے
یُوں لگا جیسے پائپ برف کا بنا ہوا ہے۔ اور پھر فارُوق
چھت پر پہنچ گیا۔ جلد ہی وُہ ان کی نظروں سے اوجھل
ہو چکا تھا۔

اور پھر ایک کھڑکی کھُلی۔ فارُوق کا سر انھیں نظر آیا۔

"تم دونوں بھی اندر آ جاؤ۔"

"کیا ضرورت ہے۔ فون کرو۔ پھر یہاں سے چلتے ہیں۔"

"نہیں۔ تم بھی اندر آ ہی جاؤ۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے" فاروق نے کہا۔

"یہ تم ڈرپوک کب سے ہو گئے۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اور یہ حضرت ڈرپوک تھے کب نہیں۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"عزت افزائی کا شکریہ۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"کیا تم فون کر چکے ہو؟" محمود نے تلملا کر پوچھا۔

"افسوس نہیں۔ میں یہاں سے فون کر بھی نہیں سکوں گا۔"

"لو اور سنو۔ فون کرنے کے لیے اندر داخل ہوئے۔ اندر داخل ہونے کے لیے محنت کرنا پڑی۔ اور اب کہہ رہے ہیں کہ میں فون نہیں کر سکتا۔"

"ہاں! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ فون کے تار کٹے پڑے ہیں۔"

"کیا!" وہ چلائے۔

"شاید۔ وہ لوگ جاتے ہوئے فون کے تار کاٹ گئے۔" فاروق نے کہا۔

"لگ۔ کون۔ یہاں سے تو آخر میں ابا جان رخصت ہوئے تھے اور انھوں نے ڈاکٹر بخاری کو محفوظ مقام پر پہنچایا تھا۔"

"اوہ!" فرزانہ بولی۔

"تب پھر۔ تار کس نے کاٹے؟"

"اسی لیے میں کہہ رہا ہوں نا۔ کہ تم دونوں بھی اندر آ جاؤ۔ ہمیں یہاں کچھ دیر تو لگ ہی جائے گی۔"

آخر محمود اور فرزانہ بھی اندر داخل ہو گئے۔ دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

خواب نہ دیکھو

ایک طرف ڈاکٹر بخاری بندھے پڑے تھے۔ اور دوسری طرف انسپکٹر جمشید۔

"یہ۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" محمود نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"دیکھ بعد میں لیں گے۔ پہلے تو انہیں کھولنا چاہیے۔"

محمود اور فاروق نے جلدی جلدی دونوں کو کھولا۔ ان کے منہ میں بھی رومال ٹھونسے گئے تھے۔ جوں ہی رومال نکالے گئے۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا:

"شکر ہے۔ تم لوگ پہنچے تو۔"

"لل۔ لیکن۔ ابا جان۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے کانپتی آواز میں کہا۔

"کیا کس طرح ہو سکتا ہے۔"

"آپ۔ آپ کو یہاں کس وقت لایا گیا؟" محمود بولا۔

"مجھے یہاں۔ کس وقت لایا گیا۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو بھئی، میں تو یہاں خود آیا ہوں۔ مجھے لایا نہیں گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ آپ یہاں خود آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے آپ کو فون کیا تھا۔ کہ یہ خطرے میں ہیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے، لیکن تمہیں یہ بات کس نے بتائی، میں تو کچھ بتائے بغیر یہاں آگیا تھا۔"

"اُف مالک۔ آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں۔"

"کیا مطلب۔ میں ڈرائے دے رہا ہوں۔ نہیں تو۔ میں نے تو ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"سنیے۔ آپ کی یہاں چار غنڈوں سے لڑائی ہوئی تھی نا۔" فرزانہ بے تابانہ بولی۔

"بالکل ہوئی تھی۔" وہ بولے۔

"پھر ان کے پانچویں ساتھی نے پیچھے سے آپ پر وار کیا تھا۔ آپ اسی وقت اس کی طرف پلٹے تھے۔"

"ہاں ہاں۔ لیکن یہ باتیں تمہیں کس طرح معلوم ہو گئیں۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"اُف مالک۔ بہت بھیانک بات ہے۔" فرزانہ چلا اٹھی۔

"کون سی بات بہت بھیانک ہے۔"

"آپ نے اس پانچویں پر بھی قابو پا لیا تھا۔ اور ی
لوٹ آئے تھے۔"

"نن۔ نہیں۔ پانچویں کا وار تو کاری بیٹھا تھا اور ب
بے ہوش ہو گیا تھا۔ ہوش آیا تو میں اور ڈاکٹر صا
بندھے پڑے تھے۔"

"نن۔ نہیں۔" وہ تینوں ایک ساتھ چلائے۔

"کیا بات ہے۔ جلدی کہو۔"

"آپ کی شکل میں ایک شخص گھر پہنچا تھا۔ اس
بالکل آپ کے انداز میں گھنٹی بجائی تھی۔ ہم اسے دیک
ذرا بھی شک نہیں کر سکے۔ اس کی پنڈلی زخمی تھی
اس نے بتایا کہ ڈاکٹر بخاری کے ہاں میری چار غنڈوں
لڑائی ہوئی۔ میں نے انہیں گرا دیا۔ پھر پانچویں نے
سے حملہ کیا، میں نے اسے بھی گرا دیا۔ اور پھر پانچ
بھاگ نکلے۔ ڈاکٹر بخاری کو محفوظ جگہ پہنچا کر میں یہ
آگیا ہوں۔ اس کی یہ بات سُن کر ہم نے ڈاکٹر انصار
کو بلایا۔ انھوں نے پنڈلی کی پٹی کی۔ اور نیند کی گو
اسے دے دیں۔ وہ گولیاں اس نے منہ میں رکھیں اور
کا ایک گھونٹ پی لیا۔ پھر ہم کمرے سے نکل کر
میں آگئے۔"

"اوہ۔ یہ بہت بُرا ہوا۔ تم نے اسے میرے کمرے
میں تنہا چھوڑ دیا۔" انسپکٹر جمشید گھبرا کر بولے۔

"ہاں! ابا جان۔ لیکن میک اَپ اس قدر غضب کا تھا
کہ ہم ذرا بھی فرق محسوس نہیں کر سکے۔ نہ آواز میں کسی فرق
کا اندازہ لگا سکے۔ بلکہ چال ڈھال میں بھی کوئی فرق نہیں
تھا۔ اور اسی لیے۔ ہم دھوکا کھا گئے۔ نہ صرف ہم بلکہ امی
جان، پروفیسر انکل اور انکل خان رحمان بھی۔"

"اوہ۔ اُف۔ تم بہت خوف ناک خبر سُنا رہے ہو۔"

"آپ تو کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گئے ابا جان۔"

"ہاں۔ میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔ آؤ جلدی کرو۔
اس نے وہ نیند کی گولیاں ہرگز نہیں کھائیں تھیں۔ شاید میں
ابھی اسے گرفتار کر سکوں، لیکن امکان بہت کم رہ گیا ہے
اسے بہت وقت مل گیا۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"آؤ۔ پہلے گھر چلو۔"

وہ گھر پہنچے۔ انسپکٹر جمشید کو دیکھتے ہی خان رحمان، پروفیسر
داؤد اور بیگم جمشید کے چہروں پر رونق لوٹ آئی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ جمشید تم مل گئے۔ مگر اصل کمال تو
محمود، فاروق اور فرزانہ کا ہے۔ جنھوں نے اتنی جلدی تمیں

تلاش کر لیا۔"

"ہاں! یہ کمال واقعی ان کا ہے، لیکن آپ لوگ ن
سمجھ رہے ہیں۔ چند گھنٹے پہلے زخمی پنڈلی لیے مَیں یہاں
نہیں آیا تھا۔ وُہ میرے میک اَپ میں کوئی اور تھا۔"

"کیا!" تینوں ایک ساتھ چلّائے اور سکتے کے عالم میں
گئے۔

"پہلے مَیں اپنے کمرے کا جائزہ لوں گا۔"

وُہ تیز تیز قدم اُٹھاتے کمرے میں داخل ہوئے۔
تمام اہم چیزوں کا جائزہ لیا۔ ہر چیز اپنی جگہ موجود تھی
کوئی چیز ہِلی جلی ہوئی نہیں تھی۔

"اس کو کتنی دیر تک آپ لوگوں نے تنہا چھوڑے رکھا

"قریب قریب تین گھنٹے۔"

"اوہ۔ تین گھنٹے بہت ہوتے ہیں۔ تین گھنٹوں میں تو وُہ
سب کچھ کر سکتا تھا۔"

"لیکن ابّا جان۔ یہاں تو ہر چیز اپنی جگہ پر ہے۔"
فاروق بولا۔

"مائیکرو کیمرے کے ذریعے تمام اہم کاغذات کی نقل تیار
کر لینا آج کے دَور میں کیا مشکل ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اس کا مطلب ہے۔ وُہ اپنی سازش میں کامیاب رہے۔"

"ہاں بالکل۔ ٹھہرو۔ پہلے مَیں اِدھر اُدھر فون کر لوں۔"
انسپکٹر جمشید نے کہا۔

پھر وُہ فون کرنے میں مصروف ہو گئے۔ دس منٹ بعد
ریسیور رکھ کر ان کی طرف مُڑے:

"اب میری سمجھ میں آ چکا ہے۔"

"جی۔ کیا سمجھ میں آ چکا ہے؟" محمود جلدی سے بولا۔

"مہمان کے بارے میں مَیں اُلجھن کیوں محسوس کرتا رہا
ہُوں۔ وُہ شخص یہاں تین دن اِس لیے رہ کر گیا ہے کہ
میری نقل و حرکت۔ بولنے کا انداز۔ گھنٹی بجانے کا انداز،
غرض ہر چیز کا بغور مشاہدہ کر ڈالے۔ یہی وجہ ہے کہ
تم اس میں اور مجھ میں کوئی فرق محسوس نہ کر سکے۔" انسپکٹر
جمشید نے کہا۔

"اوہ!" وُہ دھک سے رہ گئے۔

"لیکن ابّا جان۔ مہمان کو تو آپ کے قریبی دوست عرفان
مجید نے بھیجا ہے۔"

"ہاں! لیکن ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں عرفان مجید
بھی دھوکا کھا گیا ہو۔ مونا کا نے پہلے اس سے یاری
گانٹھی ہو۔ اور پھر یہاں آنے کے پروگرام کا ذکر کیا ہو۔

اب بے چارے عرفان مجید کو کیا معلوم تھا کہ اس
کیا ارادہ ہے ۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ موناکا کو
عرفان مجید کا بھی سراغ لگانا پڑا ۔ کہ وہ میرا دوست بـ
انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"تب تو اس نے اس واردات کے لیے بہت پاپڑ بـ
فرزانہ بولی۔

"ہاں! لیکن غور کرو ۔ وہ پوری طرح کامیاب رہا ہے۔"

"آپ ۔ عرفان مجید صاحب سے پُوچھیے تو سہی۔"

"ہاں ۔ ٹھیک ہے۔" انھوں نے کہا اور عرفان مجید کے ٹیلی فون نمبر ملانے لگے ۔ پانچ منٹ کی مسلسل کوشش کے بعد کہیں جا کر سلسلہ مل گیا ۔ اور عرفان مجید کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو عرفان ۔ جمشید بول رہا ہوں۔"

"کیا حال ہے بھئی۔"

"میں ۔ ٹھیک ہوں ۔ میں موناکا کے بارے میں اُلجھن میں ہوں۔"

"کیا مطلب ۔ کیسی اُلجھن۔" دُوسری طرف سے کہا گیا۔

"موناکا تمھارا دوست کس طرح بنا؟"

"بس ایسے ہی ۔ راستے میں ایک دن مل گیا ۔ پھر کہنے

لگا کہ مجھے مشرقی لوگ بہت اچھے لگتے ہیں ۔ میرا جی چاہتا ہے ۔ میں آپ کا دوست بن جاؤں ۔ اس طرح ہم دونوں دوست بن گئے ۔ ہماری ملاقاتیں روز ہونے لگیں، اور پھر یہ دوستی گہری ہوتی چلی گئی ۔ پردیس میں دوستوں کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے ۔ اس کمی کو موناکا نے پُورا کیا۔"

"ہُوں ۔ مَیں سمجھ گیا ۔ کیا مسٹر موناکا واپس پہنچ چکے ہیں؟"

"واپس ۔ نہیں تو۔" عرفان مجید نے حیران ہو کر کہا۔

"وُہ یہاں سے واپس روانہ ہو چکے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اوہو اچھا ۔ میری طرف تو وُہ نہیں آیا۔"

"اس نے اپنا کوئی فون نمبر تو دے رکھا ہوگا۔"

"نہیں ۔ کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔"

"پتا وغیرہ۔"

"کوئی نہیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"بات کیا ہے جمشید ۔ تم بہت پریشان لگتے ہو۔" عرفان مجید نے کہا۔

"ہاں! موناکا ایک غلط آدمی تھا۔ اس نے یہ سارا کھ
میرے کمرے سے انتہائی قیمتی راز چرانے کے لیے کیا۔" ا
نے کہا۔

"نن۔ نہیں۔" عرفان مجید چلّا اُٹھا۔

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔ لیکن اس میں تمہا
کوئی قصور نہیں۔ لہٰذا تم فکر نہ کرو۔ میں اسے دیکھ
گا۔"

"مجھے۔ بہت افسوس ہے جمشید۔"

"کوئی بات نہیں۔ تم محسوس نہ کرو۔" انھوں نے کہا
ریسیور رکھ دیا۔

"یہ تو ایک بہت سنسنی خیز واردات ہے۔" خان رحمان
بولے۔

"ہاں۔ تمام حالات پہلے معلوم کیے گئے۔ پھر یہ جال
پھیلایا گیا۔"

"لیکن۔ سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟"

"اگر موناکا ابھی تک ملک میں ہی موجود ہے۔ تو میں
اسے فرار ہونے کا موقع نہیں دوں گا۔ اور اگر وہ ملک
سے نکل چکا ہے۔ تو بھی میں اس کا تعاقب کروں گا۔"

"لیکن۔ پہلے تو اس کا سُراغ لگانا ہوگا۔"

"ہاں! اس سلسلے میں کام شروع ہو چکا ہے۔ تم فکر
نہ کرو۔"

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور
اُٹھاتے ہوئے کہا:

"انسپکٹر جمشید پلیز۔"

"شکریہ میرے میزبان۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ انسپکٹر
جمشید زور سے اُچھلے۔ انھوں نے فوراً فون میں لگا ایک
بٹن دبا دیا اور بولے:

"کہاں سے بول رہے ہیں مسٹر موناکا؟"

ان کے منہ سے موناکا کا نام سُن کر وہ بُری طرح اُچھلے۔

"ابھی میں یہیں ہوں۔ پہلے سودا کروں گا۔ پھر یہاں
سے رُخصت ہوں گا۔"

"کیا مطلب۔ کیسا سودا؟"

"میں نے تمہارے کمرے سے جو کچھ حاصل کیا ہے۔ اس
کا سودا۔"

"وضاحت کرو۔"

"میرا پیشہ یہی ہے۔ قیمتی راز چرانا اور پھر اسے فروخت
کرنا۔ میں فروخت اس کے ہاتھ کرتا ہوں جو زیادہ قیمت دے۔"

"تم کیا قیمت چاہتے ہو؟"

"یہ تم بتاؤ گے۔" اس نے کہا۔

"میں اپنے ملک کے راز اللہ کی مہربانی سے تم سے ب
کسی رقم کے بدلے حاصل کروں گا۔"

"یہ خواب نہ دیکھو انسپکٹر جمشید۔ فی الحال صرف اتنا سُ
لو۔ کہ وِنٹاس نے ان رازوں کی قیمت ایک کروڑ لگائی ہے
انشارجہ نے نصف کروڑ۔ شارجستان نے پچیس لاکھ۔ ا
بیگال نے تین کروڑ۔"

"کیا!" وہ زور سے چلائے۔

تیل کا دریا

چند سیکنڈ تک فون میں صرف سانسوں کی آواز سُنائی دیتی رہی۔ ادھر ان کے ساتھی بُت بنے کھڑے تھے۔ آخر مونا کا کی آواز اُبھری:

"ہاں انسپکٹر جمشید۔ اب تم کیا کہتے ہو۔ ویسے تمھارے لیے اب صرف دو راستے ہیں۔"

"کون سے دو راستے؟" انسپکٹر جمشید نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ایک تو یہ کہ تم اپنے مال دار ترین دوست خان رحمان سے رقم لے کر مجھے ادا کر دو۔ یعنی اس سے زیادہ۔ جو بیگال نے لگائی ہے۔ یا اپنی حکومت کے علم میں ساری بات لے آؤ۔ اور حکومت سے مشورہ کر کے قیمت لگاؤ۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے مونا کا۔ تم مجھے مہلت دو۔" انھوں نے ڈھیلی

آواز میں کہا۔

"شاید تم شکست کھا رہے ہو جمشید۔ ہمت ہار رہے ہو"
مونا کا نے ہنس کر کہا۔

"ہاں! شاید" وہ بولے۔

"میں ایک گھنٹے کے بعد پھر فون کروں گا" ان الفاظ
کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔ انھوں نے ایک نمبر گھمایا
اور بولے:

"مجھ سے کس نمبر سے بات کی جا رہی تھی"

"شمالی سرے کے ایک پبلک فون بوتھ نمبر ۹۵۲۰۱ سے"

"شکریہ!" انھوں نے کہا اور پھر ریسیور رکھ کر ان کی طرف
مڑے:

"تم تینوں اسی وقت شمالی سرے کی طرف روانہ ہو جاؤ
وہاں۔ گھومو۔ پھرو۔ اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرو کہ
مونا کا کہاں چھپ سکتا ہے۔"

"بہت بہتر ابا جان۔ ہم اس حد تک کوشش کریں گے کہ
کیا کبھی کی ہو گی" محمود نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

وہ اسی وقت روانہ ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید ایک گھنٹے تک
انتظار کرتے رہے۔ آخر پھر فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھایا
تو مونا کا کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے فوراً وہی بٹن پھر

دبا دیا۔

"ہیلو مونا کا۔ جمشید بول رہا ہوں۔"

"ہاں تو انسپکٹر صاحب۔ کیا فیصلہ کیا۔"

"میں ساڑھے تین کروڑ دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"چار تک ہمت کرو انسپکٹر۔ میں جانتا ہوں۔ تمھارا
دوست سونے کی کان کا مالک ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن ادائیگی کی کیا صورت ہو گی۔"

"ڈرافٹ میرے نام کا بنوا کر افریقہ کے 'کرنا بنک' میں
جمع کروا دیا جائے۔ میرا وہاں اکاؤنٹ موجود ہے۔ میں رقم
اپنے مُلک خود ٹرانسفر کروا لوں گا۔"

"اور راز" وہ بولے۔

"جب رقم جمع ہو جائے گی۔ تو میں بنک سے تصدیق
کرنے کے بعد آپ کو فون کروں گا۔"

"تمھارا کیا اعتبار۔ ہو سکتا ہے، تم فون نہ کرو۔"

"یہ میرے اصول کے خلاف ہے۔ لوگ اتنے بڑے بڑے
سودے مجھ سے ایسے ہی نہیں کرتے۔"

"میں نہیں جانتا۔ وہ تم سے سودے کرتے ہیں یا نہیں،
تم کوئی حل بتاؤ۔"

"میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ اگر تم کوئی تجویز پیش کر سکتے

ہو تو کرو۔ مَیں سُننے کے لیے تیار ہُوں ، لیکن ذرا جلدی
مَیں جانتا ہوں ۔ تم فون نمبر معلوم کرنے کے بعد میرا پیچھا
شروع کر دو گے۔"
"تجویز یہ ہے کہ مَیں ڈرافٹ لے کر جہاں تم کہو۔
جاتا ہُوں۔ تم مائیکرو فلم لے آؤ۔"
"نہیں ۔ نامنظور ۔ اس میں خطرہ ہے ۔ اور اب مَیں
اس نمبر سے مزید گُفت گُو نہیں کر سکتا۔"
ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔ انھوں نے
نمبر گھمایا اور بولے :
"ہاں بھئی۔ اب فون کہاں سے کیا گیا ؟"
"جنوبی سرے کے ایک پبلک فون بوتھ نمبر ۱۱۱۵۰ سے۔"
"ہُوں ۔ وُہ بہت چالاک ہے ۔ اور پھر یہ اس کا پیشہ
ہے ۔ نہ جانے وُہ کتنے عرصے سے یہ کام کر رہا ہے ۔
خیر کوئی بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔" انھوں نے سر جھٹک
کر کہا۔
"اس میں ایک بڑی اُلجھن بھی تو ہے جمشید۔" پروفیسر داؤد
بولے۔
"ہاں ! میں جانتا ہُوں ۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ۔ یہ
کہ مائیکرو فلم کی نقل بھی تو تیار کی جا سکتی ہے۔ ہیں

فلم واپس مل جانے کا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ وُہ
کسی دُوسرے کو اس کی نقل نہیں فروخت کرے گا۔"
"ہاں ! جمشید۔ میں یہی کہنا چاہتا تھا ۔ تم نے اس
کا کیا حل سوچا ہے۔"
"آپ فکر نہ کریں ۔ مَیں اس کا بھی کوئی حل سوچ ہی
لوں گا۔"
یہ کہہ کر انھوں نے کسی کے ٹیلی فون نمبر ملائے اور
بولے :
"ہیلو ۔ جنوبی سرے کے پبلک فون بوتھ نمبر ۱۱۱۵۰
کے آس پاس چیک کرو۔"
"او کے سر۔" دُوسری طرف سے کہا گیا اور انھوں نے
ریسیور رکھ دیا۔
آدھ گھنٹے بعد پھر فون موصول ہوا ۔ اور موناکا کی آواز
سُنائی دی۔ انھوں نے پھر بٹن دبا دیا۔
"ہیلو موناکا ۔ اب کیا کہتے ہو ؟"
"مجھے آپ کی تجویز منظور نہیں، آپ کو مجھ پر بھروسا کرنا
ہوگا۔ ڈرافٹ میرے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیں۔ مَیں فلم آپ
تک پہنچا دوں گا۔"
"لیکن کیسے ؟"

"یہ میں وقت سے پہلے ہرگز نہیں بتا سکتا۔" اس نے کہا۔

"اچھا۔ جیسے تمھاری مرضی۔ ہمیں ڈرافٹ جمع کروانے کی مہلت دو۔"

"کل تک کی مہلت ہے۔ کل بنک ٹائم کے بعد بنک سے تصدیق کرنے کے بعد میں تمھیں فون کروں گا۔"

"خیال رہے۔ اگر تم نے فون نہ کیا تو پھر میں تمھیں اس دنیا کے تختے پر کہیں بھی نہیں چھوڑوں گا۔ تم جہاں بھی ہو گے، میں پہنچ جاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید نے طیش میں آ کر کہا۔

"یہ گیدڑ بھبکی کسی اور کو دینا انسپکٹر۔ میں ان باتوں میں آنے والا نہیں۔ تم اگر میرا کچھ بگاڑنے کے قابل ہوتے تو کبھی میری پیش کش منظور نہ کرتے۔"

"خیر۔ وقت بتائے گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ ویسے مجھے ایک بات پر بہت حیرت ہے۔"

"چلو پوچھ لو۔ بتا دیتا ہوں۔"

"اس قدر جلد تم نے میرا میک اپ کس طرح کر لیا؟"

"تمھارے میک اپ کی مشق میں ایک عرصے سے کر رہا ہوں۔ میں کچے منصوبے نہیں بنایا کرتا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اب کل فون پر بات ہو گی۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے سلسلہ کاٹ دیا اور وہی نمبر گھما کر بولے:

"اب کہاں سے فون کیا گیا؟"

"مغربی سمت کے ایک پبلک فون بوتھ نمبر ۹۱۹۳۴ سے۔"

"شکریہ!" ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف مڑے۔

"جمشید۔ ہمیں رقم اس کے نام جمع کروانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ وہ ہم سے دھوکا کرے گا۔" خان رحمان نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں۔"

"پھر ہم رقم کیوں جمع کروائیں۔"

"ہم رقم جمع نہیں کروائیں گے خان رحمان، لیکن یہ کہہ کر ہم نے کل تک کی مہلت حاصل کر لی ہے۔ اب کل سے پہلے اس کے ملک سے فرار ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا۔"

"اوہ۔ واقعی۔" خان رحمان بولے۔

"مجھے تو یہ شخص ضرورت سے زیادہ چالاک جان پڑتا ہے، مشکل ہی ہمارے ہاتھ آئے گا۔" پروفیسر بولے۔

"ضرورت سے زیادہ چالاک آدمی سے بھی کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہوتی ہے۔ اور مجھے اسی غلطی کا انتظار ہے۔"

"ہائیں جمشید۔ کیا کہا۔ غلطی کا انتظار۔ لیجیے پروفیسر صاحب،

اب غلطیوں کا بھی انتظار کریں گے ہم۔"

"بھئی ہمارا کیا جاتا ہے۔ کر لیں گے۔" انھوں نے کہا اور انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

عین اسی وقت وائرلیس پر اشارہ موصول ہوا:

"ہیلو۔ انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"یہ میں ہوں سر۔ ہم اس وقت ایک نیلے رنگ کی کار کا تعاقب کر رہے ہیں اور میرا خیال ہے، یہ کار اسی پُراسرار آدمی کی ہے۔"

"تم یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو اکرام؟"

"میں اس وقت مغربی سمت میں موجود ہوں۔ اور تمام پبلک فون بوتھوں پر میرا ایک ایک آدمی مقرر تھا، ابھی ابھی فون بوتھ نمبر ۹۱۹۳۴ سے ایک پُراسرار آدمی نے بات کی۔ اس کا چہرہ آپ کے مہمان سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ لہٰذا میں اس کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا ہوں۔"

"بہت خوب اکرام۔ اس کے گرد جال بُن دو۔ وہ کسی طرف سے بھی نکل کر جانے نہ پائے۔ میں آرہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شکریہ سر۔ آپ بے فکر رہیں۔" اکرام بولا۔

اور وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"خان رحمان۔ تم اور پروفیسر صاحب۔ یہیں ٹھہرو گے۔ کیوں کہ اس کا فون آسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی طرف سے بھی کوئی اطلاع مل سکتی ہے۔ میں گھر سے بھی وقتاً فوقتاً رابطہ قائم کرتا رہوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اچھی بات ہے جمشید۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ۔" خان رحمان بولے۔

انھوں نے جیپ سنبھالی اور نکل کھڑے ہوئے۔ بیس منٹ بعد وہ مغربی حصے میں داخل ہو رہے تھے۔ اب انھوں نے اکرام سے رابطہ قائم کیا:

"ہیلو اکرام۔ میں مغربی علاقے میں پہنچ چکا ہوں۔ تم اس وقت کہاں ہو؟"

"ابدالی روڈ پر۔ میں اب تک اس کا کامیابی سے تعاقب کر رہا ہوں۔"

"کیا وہ بھانپ چکا ہے کہ تم اس کا تعاقب کر رہے ہو؟" انھوں نے پوچھا۔

"یس سر۔ میرا خیال ہے۔ وہ باخبر ہے۔"

"تب تمھیں بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ میں جلد ابدالی روڈ پر پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"شکریہ سر۔ میں ہوشیار ہوں۔" اکرام بولا۔

انسپکٹر جمشید نے جیپ کی رفتار بڑھا دی۔ اور جونہی
انھوں نے اکرام کی جیپ کو دیکھ لیا۔ لیکن وہ سڑک
کے کنارے رکی نظر آئی۔ یہ دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا
اس کے قریب پہنچتے ہی انھوں نے زور دار بریک لگائے
اور بولے:

"کیا ہوا اکرام؟"

"وہ جُل دے گیا سر۔"

"کیسے۔ اس نے کیا کیا؟"

"اس کی کار میں سے تیل کی ایک چادر سی سڑک
پر گری تھی۔ بس میری جیپ پھسل گئی، میں نے بڑی
مشکل سے اسے سنبھالا۔ اب دُور تک سڑک پر تیل ہی
تیل نظر آ رہا ہے۔ آپ ہی بتائیے۔ میں اب یہاں سے
آگے کیسے جاؤں؟"

"اور کیا اس کی کار سے آگے تمھارا کوئی آدمی نہیں تھا"
اُنھوں نے پُوچھا۔

"ایک جیپ تھی سر۔ لیکن اس نے اس جیپ کا ٹائر
بے کار کر دیا۔ پستول سے فائر کر کے۔" اکرام نے جلدی
جلدی بتایا۔

"ہُوں۔ مَیں نے پہلے ہی کہ دیا تھا کہ وُہ بہت چالاک
ہے۔ لیکن اکرام۔ تم جیپ سڑک سے نیچے اتار لیتے۔
ارے نہیں۔ واقعی۔ سڑک کے اِدھر اُدھر تو میری اب
نظر پڑی۔ دونوں طرف گہری کھائیاں ہیں۔" انھوں نے بڑبڑانے
کے انداز میں کہا۔

"اس نے بھی تو اسی جگہ تیل پھینکا ہے۔ اس سے پہلے
اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔"

"اس کا مطلب ہے۔ یہ شخص ہمارے مُلک سے اچھی
طرح واقف ہے۔ خیر۔ میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔" انھوں
نے کہا۔

"لیکن سر۔ اب تو ہم اس کا سُراغ کھو چکے ہیں۔" اکرام
افسوس زدہ لہجے میں بولا۔

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ جلد ہی ہمیں پھر اشارہ
ملے گا۔ کسی نہ کسی گشتی کار سے ضرور اس کا سامنا ہو گا،
تم اس کی کار کا رنگ اور نمبر وائرلیس پر اعلان شروع کر دو،
مَیں تیل کا یہ دریا عبور کرنے کی کوشش کرتا ہُوں۔" اُنھوں نے
کہا اور جیپ آگے بڑھا دی۔

"یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اِدھر اُدھر جیپ پھسل گئی
تو کھائی میں جا گرے گی۔"

"پرواہ کرو۔ مَیں جانتا ہُوں۔ اس سڑک پر جانے
لیے کوئی دُوسرا راستا نہیں ہے۔"
"جی ہاں! یہ بات تو ہے۔"
انسپکٹر جمشید چیونٹی کی رفتار سے جیپ تیل پر چلانے
لگے۔ اکرام منہ کھولے ان کی جیپ کی طرف دیکھ رہا
تھا۔

سیاہ ساحل

"یہ رہا شمالی سرے کا پبلک فون بوتھ نمبر ۹۵۳۰۱" محمود نے بوتھ کے سامنے پہنچتے ہوئے کہا۔

"تو ہمارے مہمان۔ مسٹر مونا کا نے یہاں سے فون کیا تھا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں لیکن بھلا۔ ہم یہاں سے کیا معلوم کر سکتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔ مونا کا نے یہاں آس پاس کی کسی عمارت میں پناہ لے رکھی ہو۔" محمود نے کہا۔

"اب ہم ایک ایک عمارت کی تلاشی تو لینے سے رہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ابھی ہم نے فون بوتھ کا جائزہ تو لیا نہیں اور عمارتوں پر جا پہنچے۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"بے پر کی نہ اڑاؤ۔ ہم نے صرف عمارتوں کا ذکر کیا ہے ابھی تک۔" فاروق نے فوراً جواب دیا۔

"تم دونوں باہر کھڑے رہ کر لڑو۔ میں فون بوتھ کو
لیتا ہوں۔" محمود نے پاؤں پٹخ کر کہا اور فون بوتھ میں
ہو گیا۔

"اب ہم اتنے بھی بے مروت نہیں۔" فاروق نے مسکرا
کہا اور وہ بھی اس کے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔

"احتیاط سے۔ نیچے کچھ پڑا ہے۔" محمود جلدی سے بولا۔

اس وقت تک فرزانہ بھی بوتھ کے دروازے میں
داخل ہو چکی تھی۔ دونوں نے فرش کا جائزہ لیا۔ وہاں سگر
کا ایک مڑا تڑا پیکٹ پڑا تھا:

"یہ صرف ایک خالی پیکٹ ہے۔ کسی نے اس میں
آخری سگریٹ اس وقت نکالا جب بوتھ میں داخل ہو چکا
اور اس نے پیکٹ یہیں گرا دیا۔" فرزانہ نے مایوسانہ انداز
میں کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے، لیکن ہمارا ایک اصول ہے۔ کسی چیز
بے کار خیال نہ کرو۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کارآمد ثابت
سکتی ہے۔ فرض کرو۔ یہ پیکٹ مونا کا نے پھینکا ہے۔" محمو
جلدی جلدی کہ گیا۔

"تب بھی کیا ہے۔ یہ صرف ایک پیکٹ ہے۔ مونا کا کی
انگلیوں کے نشانات بھی ہمارے لیے اہم نہیں، کیوں کہ اُ

تو ہمارے گھر کی کتنی ہی چیزوں پر مل جائیں گے۔"

"ہوں! یہ بات بھی ٹھیک ہے، لیکن ہم اس پیکٹ
کو بالکل نظر انداز کیوں کریں۔" محمود نے کہا اور جھک کر پیکٹ
اٹھا لیا۔

"آؤ فرزانہ باہر نکل کر ذرا اردگرد کی عمارتوں کا جائزہ لیں،
ے پیکٹ جمع کرنے دو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"میں پیکٹ جمع نہیں کر رہا۔ صرف ایک پیکٹ اٹھایا ہے۔"
محمود نے منہ بنا کر کہا۔

باہر نکل کر انھوں نے عمارتوں کا جائزہ لینا شروع
کیا۔ اس طرح گھومتے پھرتے انھیں کافی وقت گزر گیا،
لیکن مونا کا کی کہیں جھلک نظر نہ آئی۔ آخر انھوں نے
واپسی کی ٹھانی۔

گھر پہنچے تو ابھی ان کے والد نہیں لوٹے تھے۔

"کیوں بھئی۔ کیا رہا؟"

"صرف سگریٹ کا ایک خالی پیکٹ۔" فاروق نے طنزیہ
لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"محمود نے ہیرو بننے کی کوشش میں سگریٹ کا ایک خالی
پیکٹ فون بوتھ سے اٹھا لیا اور بس۔ اس کے علاوہ ہم

اور کچھ معلوم نہیں کر سکے۔ ابا جان کہاں ہیں؟"

"انھیں اکرام کی طرف سے ایک اطلاع ملی تھی۔ مو
کی کار کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ جمشید بھی اسی سلسلے
گھر سے نکل گیا ہے۔"

"اوہ۔ تب تو ہم نے اچھا کیا کہ واپس آ گئے۔"

"فاروق۔ تم پیکٹ کی بات کر رہے تھے۔" پروفیسر
بولے۔

"جی ہاں! پیکٹ کی بات کا کیا ہے۔ وہ تو ہم
ہی رہتے ہیں۔ بہرحال اگر آپ اس کو دیکھنا چاہتے
تو محمود کی جیب میں ہے۔"

محمود نے پیکٹ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا۔
جلا سگریٹ کے ایک خالی پیکٹ سے وہ کیا اندازہ
سکتے تھے۔

"نہیں بھئی۔ انسپکٹر جمشید ہی کوئی۔" خان رحمان کے ا
منہ میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی
محمود تیزی سے دروازے پر پہنچا۔ اور پھر وہ انسپکٹر ج
کے ساتھ واپس آیا۔

"ہاں جمشید۔ کیا رہا؟"

"شکست پہ شکست۔" انھوں نے تھکی تھکی مسکراہٹ چ

پر لاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم موناکا کو نہیں پکڑ سکے۔ اکرام تعاقب میں ناکام ہو
گیا تھا، کیوں کہ اس نے کار میں سے تیل سڑک پر گرا
دیا تھا۔ بے چارے اکرام کو رکنا پڑا۔ سڑک کے دونوں
طرف کھائیاں تھیں۔ پھر میں وہاں پہنچا۔ میں نے تیل زدہ
سڑک کسی نہ کسی طرح عبور کی اور نکل گیا۔ لیکن بہت
دور نکل جانے کے باوجود۔ موناکا کی کار کا کوئی سراغ
نہ ملا اور آخر ہمیں ناکام ہو کر لوٹنا پڑا۔"

"تب پھر۔ کیا ہمیں اس کا مطالبہ ماننا پڑے گا۔" خان
رحمان بولے۔

"نہیں خان رحمان۔ ہم اس کو رقم نہیں دیں گے۔ رقم
کی بات چیت میں نے صرف اس لیے کی تھی کہ وہ ملک میں
ہی ٹھہرا رہے اور ہم کسی طرح اس تک پہنچ جائیں۔"

"اور وہ رکا ہوا ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ لیکن ہم نہیں جانتے۔ وہ کہاں
ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت چالاک ہے۔
دوسرے یہ کہ میک اپ کا ماہر ہے۔ ہو سکتا ہے۔ اپنا
تعاقب ہوتے دیکھ کر وہ اب کوئی اور حلیہ اختیار کر چکا

ہو۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"جمشید۔ مجھے حیرت ہے۔ میں تمہارے لہجے میں مایوسی
کی جھلک محسوس کر رہا ہوں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"نہیں پروفیسر صاحب۔ آپ غلط سمجھے۔ ہم نے مایوس
ہونا نہیں سیکھا۔ ارے یہ کیا۔"

جملہ کہتے کہتے وہ چونک اُٹھے۔ ان کی نظریں پیکٹ
پر جمی تھیں۔ انھوں نے حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف
دیکھا، کیوں کہ وہ کچھ زیادہ ہی حیرت زدہ نظر آ رہے
تھے۔

"خیر تو ہے جمشید۔ تم اس پیکٹ کو دیکھ کر حیران ہو
گئے ہو۔" خان رحمان جلدی سے بولے۔

"ہاں! یہ۔ یہ کہاں سے آیا؟" انھوں نے کھوئے کھوئے
لہجے میں کہا۔

"وہ مارا۔" محمود نے چہک کر کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا مارا تم نے۔" انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"ج۔ جی۔ کچھ نہیں۔" محمود بوکھلا اُٹھا۔

"یہ پیکٹ۔ محمود اُٹھا کر لایا ہے۔ شمالی سرے کے پبلک
فون بوتھ سے۔"

"کیا!" انسپکٹر جمشید اُچھل پڑے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے

پھیل گئیں۔

★

اب ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"جمشید۔ یہ صرف سگریٹ کا ایک خالی پیکٹ ہے۔ ہو سکتا
ہے، یہ وہاں موناکا نے ہی گرایا ہو، لیکن بھلا اس سے
ہم کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں؟" خان رحمان نے پریشان ہو
کر پوچھا۔

"تت۔ تم نہیں جانتے خان رحمان۔" یہ کہہ کر انھوں نے
جلدی سے پیکٹ اُٹھا لیا اور اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگے،
پھر ان کے منہ سے نکلا:

"حیرت ہے۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

"آپ۔ آپ کیا دیکھ رہے ہیں ابا جان۔ جہاں تک ہمارا
خیال ہے۔ آپ صرف یہ پیکٹ دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں! لیکن تم نہیں جانتے۔ یہ پیکٹ کیسا ہے۔"

"ہمارے خیال کے مطابق تو یہ بالکل معمولی سی چیز ہے۔"
فاروق نے کہا۔

"نن۔ نہیں۔ محمود۔ اس کیس کا سہرا تمہارے سر۔" وہ

بولے ۔

"لل ۔ لیکن ابا جان ۔ ابھی کیس حل کہاں ہوا ہے۔"

"اب کیس میں رہ کیا گیا ہے۔" انھوں نے کہا۔

"حیرت ہے ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔" فاروق بولا۔

"خیر ۔ جلد جان جاؤ گے ۔ تم بھی۔"

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی ۔ انسپکٹر جمشید نے ریسی
اٹھاتے ہوئے کہا:

"ہیلو ۔ انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"اور میں موناکا ہوں ۔ مجھے افسوس ہے ۔ آپ کے ماتح
میرے تعاقب میں کامیاب نہیں ہو سکے۔"

"ہاں ! یہ ٹھیک ہے ۔ بلکہ خود میں بھی کامیاب نہیں
سکا۔" انھوں نے کہا۔

"اوہو ۔ تو آپ خود بھی تعاقب میں نکلے تھے۔"

"ہاں ! یہ میرا فرض تھا۔"

"اب ادائیگی کے بارے میں کیا پروگرام ہے؟"

"وہی جو پہلے تھا۔" وہ بولے۔

"لیکن میں نے اب پروگرام بدل دیا ہے۔" موناکا ہنسا۔

"کیا مطلب؟" انھوں نے چونک کر پوچھا۔

"میں اب کل تک انتظار نہیں کر سکتا ۔ آپ میرے گرد

جال بُن رہے ہیں ۔ اور میں آپ کے ماتحتوں کا گھیرا تنگ
ہوتا محسوس کر رہا ہوں ، لیکن اس سے پہلے کہ میں بالکل
گھیر لیا جاؤں ۔ میں آپ کا ملک چھوڑ جانا چاہتا ہوں ۔
لہٰذا اب یہ سودا اس سرزمین پر طے نہیں ہو گا ۔ اگر
آپ کو اس فلم کی ضرورت ہے تو پھر مجھے بتا دیں ۔ ملک
سے باہر پہنچنے پر میں آپ کو فون پر طریقہ کار بتا دوں گا۔"

"اوہ ۔ تو یہ بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں ! بات تو صرف اتنی سی ہے۔"

"ٹھیک ہے ۔ اگر آپ باہر جانے میں کامیاب ہو گئے تو
ہم آپ کے فون کا انتظار کریں گے۔"

"لیکن یہ غور کر لیں ۔ کہ اس وقت ان رازوں کی قیمت
بہت بڑھ چکی ہو گی ، کیوں کہ خریداروں میں مقابلہ شروع ہو
چکا ہو گا۔"

"دیکھا جائے گا ۔ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"اچھا تو پھر ۔ الوداع ۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور
رکھ دیا گیا ۔ انسپکٹر جمشید نے سلسلہ کاٹ کر جلدی جلدی ادھر
ادھر فون کرنا شروع کیے ۔ اور پھر ریسیور رکھتے ہوئے بولے:

"اب ہمیں بالکل تیار بیٹھنا ہے ۔ کسی وقت بھی روانہ
ہونا پڑے گا۔"

"گویا آپ اسے فرار ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتے۔"

"ہاں! میری کوشش یہی ہے، لیکن۔" وہ بولے۔ لیکن انداز میں اُلجھن تھی۔

"لیکن کیا؟" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"لیکن میرا خیال ہے۔ وہ بچ نکلے گا۔"

"یہ آپ نے کس طرح اندازہ لگا لیا؟"

"اس کی باتوں سے۔ اس کے فرار کا راستا طے شدہ ہے، جب کہ ہمیں معلوم نہیں۔"

وہ سوچ میں ڈوب گئے۔ بیس منٹ بعد وائرلیس پر اشارہ موصول ہوا۔

"ہیلو۔ انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"سیاہ ساحل!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"آؤ بھئی۔ اس کے فرار کا راستا معلوم ہو گیا ہے۔ اور اب امید ہو چلی ہے کہ ہم اسے نہیں جانے دیں گے۔" انھوں نے پُرجوش انداز میں کہا۔

انھوں نے خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو گھر میں ہی چھوڑا اور خود جیپ میں روانہ ہو گئے۔

"سیاہ ساحل۔ یہ نام تو پہلی بار سُنا ہے ابا جان۔" فرزانہ نے کہا۔

"تم نے ضرور پہلی بار سُنا ہے۔ میرے علم میں یہ ساحل پہلے سے ہے۔"

"لیکن موناکا کو اس کا پتا کیسے چلا؟"

"دُوسرے مُلکوں میں جاکر وارداتیں کرنے والوں کو بہت سی معلومات حاصل کرنا پڑتی ہیں۔"

"لیکن ہم تو معلومات حاصل کیے بغیر ہی کود پڑتے ہیں۔" محمود بولا۔

"اس لیے کہ ہم مُسلمان ہیں۔ اور آتشِ نمرود میں کود پڑنا ہماری عادت ہے۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

ان کی جیپ آدھ گھنٹے تک تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑتی رہی۔ آخر انھوں نے سمندر کی موجوں کا شور سُنا۔ یہ علاقہ دُور دُور تک سُنسان تھا۔ پہاڑی ٹیلے ساحل کے ساتھ ساتھ نظر آ رہے تھے۔ انھیں یُوں لگا جیسے قدرت نے انھیں پانی کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے پہرے دار مقرر کر دیا ہو۔

وُہ جیپ سے اُترے ہی تھے کہ ایک فائر ہوا۔ فضا گولی کی آواز سے گونج اُٹھی۔ انھوں نے فوری طور پر خود کو ریت پر گرا دیا۔ اُسی وقت دُوسرا فائر ہوا اور ایک گولی انسپکٹر جمشید کے کندھے کے بالکل قریب سے گزر گئی۔

"ہم خطرے میں ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہے۔ اونچی جگہ پر ہے۔ غالباً کسی ٹیلے پر سے فائرنگ کر رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا اور پلٹنی لگا گئے۔ اب ان کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ انھوں نے گولی کی سمت میں فائر کر دیا۔ جب کہ ابھی انھیں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ مُجرم کہاں چھپا ہے۔

جواب میں پھر فائر ہوا اور انھوں نے فرزانہ کی چیخ سُنی۔

ٹھنڈا لوہا

"خیر تو ہے فرزانہ؟" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"گولی شاید میرے شانے کو چھوتی ہوئی گزر گئی ہے۔ لیکن آپ پریشان نہ ہُوں۔"

انسپکٹر جمشید نے اس طرف نظریں جما دیں جس طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ اور پھر انھوں نے ٹیلے کی اوٹ سے ایک ہاتھ نمودار ہوتے دیکھا۔ ان کے لیے اتنا ہی موقع کافی تھا۔ ان کے پستول سے فوراً ایک گولی نکلی اور اس ہاتھ میں پکڑے پستول کو جا لگی۔ پستول فضا میں اُچھلا اور ریت پر گرا۔

اب دُوسری طرف سناٹا چھا گیا۔ شاید اس کے پاس دُوسرا پستول نہیں تھا، لیکن یہ دھوکا بھی ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ انتظار کرتے رہے۔ اور آخر انھوں نے اندازہ لگا لیا کہ اب اس طرف سے فائر ہونے کا امکان نہیں

رہا۔ انسپکٹر جمشید اُٹھے اور ٹیلے کی طرف دوڑ پڑے۔

ٹیلے کے دُوسری طرف پہنچ کر وہ رک گئے۔ فائر کرنے والا غائب تھا۔

"آ جاؤ بھئی۔ وہ فرار ہو چکا ہے۔" انھوں نے بلند آواز میں کہا۔

تینوں دوڑ کر ان کے پاس پہنچے۔ اب انھوں نے فرزانہ کے کندھے کی طرف توجہ دی۔ کندھے سے خُون رِس رہا تھا۔

"محمود۔ تم رُومال کی پٹی کر دو۔ تاکہ خُون رِسنا بند ہو جائے۔ میں ذرا اس ٹیلے کے آس پاس کا جائزہ لے لوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی بہتر!"

"لیکن ابا جان۔ یہ ہوا کیا۔ یہاں کے بارے میں تو ہمارے اپنے کسی آدمی کی طرف سے اطلاع ملی تھی۔ لیکن۔ یہاں دشمن پہنچ گیا۔ اور ہمارا کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا۔" فرزانہ نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"تم سمجھے نہیں، حالاں کہ بات بالکل سامنے کی ہے، یہ شرارت بھی موناکا کی ہے۔ وہ واقعی ایک بہت چالاک دشمن ہے۔ آواز بدلنے کا ماہر تو وہ ہے ہی۔ میک اپ

کا بھی ماہر ہے۔ اس نے آواز بدل کر مجھے وائرلیس کے ذریعے اطلاع دی۔ اس کا مطلب ہے۔ ہمارا وہ آدمی اب اس کے قبضے میں ہے۔"

"اوہ۔ تو کیا۔ اس ٹیلے کے پیچھے بھی موناکا ہی تھا؟"

"ہاں! میں تو یہی سمجھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ اس کا کوئی ساتھی رہا ہو۔"

"اب تو یہ معاملہ اور بھی خطرناک ہو گیا۔ ہمیں اپنے ساتھی کو اس کی قید سے چھڑانا پڑ گیا ہے۔"

"یہ ضروری نہیں۔ کہ وہ اسے قید میں ہی رکھے۔ ایسے چالاک لوگ اُلجھنیں مول نہیں لیا کرتے۔ میرا خیال ہے۔ ہمارا ساتھی کسی سڑک کے کنارے بے ہوش مل جائے گا۔ آؤ چلیں۔"

وہ جیپ میں سوار ہوئے ہی تھے کہ وائرلیس پر اشارہ موصول ہوا اور پھر اسی ماتحت کی آواز سُنائی دی۔ جس کی آواز سُن کر وہ سیاہ ساحل پر آئے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا:

"میں اس وقت سیاہ ساحل کے آس پاس کہیں قید ہوں، مہربانی فرما کر مجھے اس قید سے نجات دلائیں۔"

"لیکن تمھیں قید کرنے والوں نے وائرلیس سیٹ تمھارے پاس کس طرح رہنے دیا؟" انسپکٹر جمشید نے اُلجھن کے عالم

میں کہا۔

"جی - میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"تم پر انھوں نے کس طرح قابو پایا تھا؟"

"پیچھے سے حملہ کیا تھا - پھر مجھے رسیوں سے جکڑ دیا گیا
اور مجھ سے بہت سی باتیں کی گئیں - اس کے بعد میرا منہ
بند کر دیا گیا - پھر ان میں سے ایک نے اسی وائرلیس
سیٹ پر آپ سے بات کی - لیکن وہ میری آواز میں بات
کر رہا تھا - میں اس کے منہ سے اپنی آواز نکلتے سن کر
حیران رہ گیا۔"

"لیکن تمھارا تو منہ بند کر دیا گیا ہے - پھر تم بول کس
طرح رہے ہو؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اب انھوں نے میرا منہ کھول دیا ہے۔"

"نہیں مسٹر موناکا - میں اتنا بھولا نہیں - یہ دراصل تم
بول رہے ہو - میرے ماتحت سے تم نے ضرور وائرلیس
سیٹ چھین لیا ہوگا - ہو سکتا ہے، وہ اب تک تمھارے
پاس بندھا پڑا ہو - خیر - اگر تم چاہتے ہو کہ میں اسے
چھڑانے کے لیے آؤں - تو فکر نہ کرو - میں تمھیں مایوس
نہیں کروں گا۔"

"لیکن انسپکٹر جمشید - اگر ہمت ہے تو اپنے ساتھ صرف

ے بچوں کو لانا - پوری فوج کو ساتھ لانا بہادری نہیں
گی۔"

"میں ابھی سیاہ ساحل پر ہی موجود ہوں - تم سے کہاں
لاقات ہو سکتی ہے؟"

"سب سے اونچے ٹیلے کے آس پاس میں موجود ہوں۔"

"کیا مجھ سے باقاعدہ جنگ لڑنے کا ارادہ ہے؟"

"ہاں!" اس نے کہا۔

"لیکن کیوں - تم تو ہم سے مائیکرو فلم کا سودا کر رہے
تھے۔"

"میں آپ کی چال کو بھانپ گیا ہوں - آپ سودا نہیں
کریں گے - میرے گرد جال پھیلانے کے چکر میں ہیں،
لہذا میں نے بھی جوابی جال بچھا دیا - آپ کے ایک ماتحت
کو چھاپ بیٹھا، کیوں کہ میں چاہتا ہوں - پورے اطمینان
سے اس فلم کا سودا ونٹاس، انشارجہ یا بیگال سے کروں -
یہ ممالک اس فلم کی اچھی قیمت دے سکتے ہیں، لیکن اس
کا سودا اطمینان سے اسی وقت کر سکتا ہوں، جب آپ
میرے راستے سے بالکل ہٹ جائیں۔"

"ہوں - میں سمجھ گیا - مجھے اپنے ماتحت کو چھڑانے کے
لیے تم سے مقابلہ کرنا ہی ہوگا۔"

"بالکل ٹھیک انسپکٹر جمشید۔ مہربانی فرما کر جلدی آ جائیں۔
میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی آواز بند ہو گئی۔ انھوں نے بھی
سیٹ کو آف کیا اور ان کی طرف دیکھا:

"وہ ہم سے زندگی اور موت کی جنگ لڑنا چاہتا ہے۔"

"تو پھر ڈر کیسا۔ زندگی اور موت کا مالک تو صرف اللہ
ہے۔" فاروق بولا۔

"جملہ پسند آیا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن ابا جان! میں نے یہ بات جملے کی حد تک نہیں
کہی۔" اس نے فوراً کہا۔

"ہاں! میں جانتا ہوں۔ اب آؤ۔ سب سے بڑے ٹیلے
کی طرف چلیں۔"

"اور ہمارے پاس صرف ایک پستول ہے۔ اور گولیاں
بھی زیادہ نہیں ہیں۔"

"ہمیں زیادہ گولیوں کی ضرورت بھی نہیں۔ ایک یا دو
گولیاں کافی ہوں گی۔ اصل کام اس کی گولیوں سے بچنے
کا ہے۔"

"اور وہ ضرورت سے زیادہ چالاک بھی ہے۔" فرزانہ نے
فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"تم کچھ کہنا چاہتی ہو شاید۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف
دیکھا۔

"جی ہاں۔ وہ اس موقعے پر بھی کوئی چال چلنا چاہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم بھی اندھا دھند آگے نہیں بڑھیں گے۔"

ان کی جیپ کا رُخ سب سے اونچے ٹیلے کی طرف ہو
گیا۔ پستول انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں تھا:

"ابا جان۔ کیا میں اپنا چاقو نکال کر ہاتھ میں لے سکتا
ہوں؟" محمود نے پوچھا۔

"ہاں ضرور۔ لیکن میری اجازت کے بغیر چاقو مت پھینکنا۔"

"جی کیا مطلب۔ اگر مونا کا میری زد پر آگیا تو کیا میں
آپ کی اجازت لوں گا پہلے۔"

"ہاں! یہ بہت ضروری ہدایت ہے۔" انھوں نے بڑبڑانے
کے انداز میں کہا۔

"آپ کے ذہن میں کوئی بات ضرور ہے۔" فرزانہ نے جلدی
سے کہا۔

"بات ہونی بھی چاہیے۔"

"سگریٹ کے اس خالی پیکٹ کو دیکھ کر آپ کی سمجھ میں کیا
بات آئی تھی ابا جان۔" فاروق بول اُٹھا۔

"ابھی نہیں بتاؤں گا۔" وہ مسکرائے۔

اور پھر وہ بڑے ٹیلے سے اتنے فاصلے پر پہنچ کر رک
گئے کہ پستول کی گولی نہ پہنچ سکے ۔ وہ جیپ سے اتر
آئے ۔ لیکن اتر کر جیپ کے آگے نہیں آئے ۔ بلکہ جیپ
کی اوٹ میں کھڑے رہے ۔

" یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس رائفل ہو ۔
اس صورت میں وہ اتنے فاصلے سے بھی ہمیں نشانہ بنا سکتا
ہے ۔" محمود نے خیال ظاہر کیا ۔

" ہاں ! سبھی کچھ ہو سکتا ہے ۔ اب ہم جیپ کو دھکیلتے ہوئے
آگے بڑھیں گے ۔ یعنی اس کی اوٹ میں رہیں گے ۔ اگر
گولی رائفل کی بھی ہو گی ۔ تب بھی جیپ کی دیوار توڑ کر
ہم تک نہیں پہنچ سکے گی ۔ اس جیپ کی دیواریں خاص قسم
کی ہیں ۔" انسپکٹر جمشید نے انھیں بتایا ۔

" اوہ ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے ۔"

انھوں نے جیپ کو آگے دھکیلنا شروع کیا اور اس طرح
ٹیلے کے نزدیک ہونے لگے ۔ جوں ہی وہ رینج میں آئے ۔
فائر کی آواز گونجی ۔ جیپ کا سامنے کا شیشہ ٹوٹنے کی
آواز سنائی دی ، لیکن گولی جیپ کے اندر ہی کہیں رہ
گئی :

" فرزانہ میرے ساتھ رہے گی ۔ محمود اور فاروق ۔ تم جاؤ ۔"

" جی ۔ کیا مطلب ۔ ہم جائیں ۔" فاروق ہکا بکا رہ گیا ۔

" آؤ ۔" محمود نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ریت پر لیٹ گیا ،
فاروق ایک جھٹکے سے گرا ۔

" یہ ساتھ لے جانے کا کون سا طریقہ ہے ۔" فاروق نے
جل کر کہا ۔

" جدید ترین ۔" اس نے رینگتے ہوئے کہا ۔

" لیکن ہمیں جانا کہاں ہے ؟"

" شاید ۔ عقل گھر رکھ آئے تھے آتے ہوئے ۔"

" ہاں ۔ کچھ یاد تو پڑتا ہے ۔" فاروق بڑبڑایا ۔

" کک ۔ کیا یاد پڑتا ہے ۔" محمود نے حیرت زدہ انداز میں
کہا ۔

" یہی ۔ عقل والی بات ۔"

" دھت تیرے کی ۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا ،
لیکن یہ ہاتھ فاروق کی پسلیوں میں لگا ۔

" شاید آج تم پرانے بدلے لینے کے موڈ میں ہو ۔" فاروق
تلملا کر بولا ۔

" نہیں تو ۔ سنو ۔ ہمیں چکر کاٹ کر ٹیلے کے دوسری
طرف پہنچنا ہے ۔ تاکہ وہ پہلے کی طرح اس طرف سے فرار نہ
ہو جائے ۔"

"لیکن - بھئی - اگر اس نے ہم پر فائر کر دیا۔"

"ہم اتنے احمق نہیں - ٹیلوں کی اوٹ لے کر اس سے نزدیک ہونے کی کوشش کریں گے۔"

"ہوں - پروگرام اچھا ہے - اب مجھے بھی مزا آنے لگا ہے۔" فاروق مسکرا دیا۔

دونوں آگے بڑھتے رہے - شاید موناکا کی ساری توجہ اپنی طرف بڑھتی ہوئی جیپ کی طرف تھی - یوں بھی یہ دونوں زیادہ تر ٹیلوں کی اوٹ میں رہتے ہوئے آگے جا رہے تھے - جب انھیں اوٹ سے نکلنا پڑتا - پہلے اونچے ٹیلے کی طرف دیکھ لیتے - یا فائر کے وقت اوٹ سے نکلتے - اس ترکیب سے انھوں نے ایک لمبا چکر کاٹ ڈالا - اور پھر موناکا کی کمر کی طرف بڑھنا شروع کیا - اب وہ لمحہ بہ لمحہ اس سے نزدیک ہوتے جا رہے تھے - ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے -

"کیا یہ بات عجیب نہیں۔" فاروق نے دبی آواز میں کہا۔

"کون سی بات؟" محمود نے اس کی طرف گردن گھمائی۔

"یہ کہ موناکا نے اپنی کمر کی طرف سے ہمارے آنے کے امکان پر غور ہی نہ کیا ہو۔"

"ہاں - واقعی - عجیب تو ہے۔"

"اس چالاک آدمی نے ہمیں مقابلے کے لیے پکارنے سے پہلے ضرور حالات، واقعات اور موقعے کا جائزہ لیا ہوگا - اور اس نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ ہم چکر کاٹ کر اس کی کمر کی طرف سے بھی وار کر سکتے ہیں۔"

"شاید - یہی بات ہو۔" محمود نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اس صورت میں اس نے ضرور کوئی انتظام کیا ہوگا۔"

"ہوں! لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے کمر کی طرف توجہ نہ دی ہو - چالاک ترین آدمی سے بھی کوئی نہ کوئی غلطی یا بھول ضرور ہوتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو - ہمیں بہت دیکھ بھال کر آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔"

محمود نے سر ہلا دیا - اور اردگرد کا جائزہ لیا - فائرنگ کی آوازیں برابر آ رہی تھیں - اب وہ کافی نزدیک پہنچ گئے تھے - ایک ٹیلے کی اوٹ سے انھوں نے موناکا کو بالکل صاف طور پر دیکھ لیا - اس کے پیروں کے پاس ان کا ساتھی بندھا پڑا تھا - اس کے دائیں ہاتھ میں پستول تھا - اور پھر انھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا - موناکا نے پستول جیب میں رکھ لیا اور جھک کر ان کے ساتھی کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے قدرے اوپر اٹھایا اور پھر اس کا سر اوٹ سے باہر

کرنے لگا۔

اچانک انھوں نے محسوس کر لیا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ دونوں کانپ اُٹھے۔ انھوں نے ایک دُوسرے کی طرف دیکھا اور پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں چیخ اُٹھنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ابھی ان کے منہ کھُلے ہی تھے کہ دونوں کی گردنوں سے ٹھنڈا لوہا آ لگا:

"خبردار۔ منہ سے آواز نکلی اور تم گئے۔"

شکست اور فتح

انسپکٹر جمشید اور فرزانہ جیپ کو دھکیلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ انسپکٹر جمشید نے ابھی تک مونا کا پر کوئی گولی نہیں چلائی تھی۔ جب کہ اس کی طرف سے جیپ پر کئی گولیاں چل چکی تھیں اور جیپ کا حلیہ بگڑتا جا رہا تھا۔ ایک گولی اس کے ایک اگلے ٹائر کو بھی لگ چکی تھی۔ اور اب ان دونوں کے لیے جیپ کو دھکیلنا مشکل ہو گیا تھا۔ لیکن کسی نہ کسی طرح وہ دھکیل ہی رہے تھے۔ اسی وقت ایک فائر اور ہوا اور جیپ کا دُوسرا اگلا ٹائر بھی بے کار ہو گیا۔ اب ان سے جیپ آگے نہ کھسکائی جا سکی۔ کیوں کہ جگہ بھی ریت والی تھی۔

"اب کیا کریں فرزانہ؟"

"یہیں ٹھہر کر اس کی فائرنگ کا جواب دیں۔" فرزانہ نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں فرزانہ۔ غصے میں آنے کی ضرورت نہیں۔ دماغ کو ٹھنڈا رکھو۔ یہ مجرم ہمیں بہت یاد آئے گا۔ ایسے ذہین مجرم بہت کم ملتے ہیں۔ یہ سوچو کہ اب وہ کس رخ سے وار کرے گا۔ اور ساتھ میں دعا کرو کہ محمود اور فاروق بخیریت اس کے عقب میں پہنچ جائیں۔"

"ہوں۔ بہتر۔" فرزانہ نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے تھوڑا سا سر باہر کی طرف نکال کر ٹیلے کی طرف دیکھا۔ ٹیلے سے بھی سر باہر کی طرف نکل رہا تھا، گویا وہ نشانہ لینے کے لیے سر آگے کر رہا تھا۔

"فرزانہ۔ ادھر آجاؤ میری طرف۔ اور دیکھو۔ اس کا سر اب میری زد پر ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر گولی چلائیے نا۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"نہیں فرزانہ۔ ہم اس کو زندہ پکڑیں گے۔ ایسے مجرموں کو زندہ گرفتار کر کے مزا آتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے زندہ پکڑنے کے چکر میں ہم اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہم پوری طرح جیپ کی اوٹ میں ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"لیکن آپ نے سر تو باہر نکال ہی رکھا ہے۔"

"جوں ہی پستول کی نال نظر آئی۔ ہم سر ادھر کر لیں گے۔" وہ بولے۔

"لیکن۔ اس کا سر اب پوری طرح آپ کی زد میں ہے۔"

"اور کئی سیکنڈ سے زد میں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کک۔ کیا مطلب؟"

"تم خود غور کرو فرزانہ۔ سر تو اس نے آگے کر لیا۔ اب پستول والا ہاتھ آگے کیوں نہیں کر رہا۔ کیا وہ اس انتظار میں ہے کہ پہلے میں گولی چلاؤں۔ نہیں فرزانہ۔ وہ شخص اتنا بے وقوف نہیں ہے۔ وہ تو حد درجے چالاک ہے۔ لہٰذا سر باہر نکالنے کے فوراً بعد اسے پستول والا ہاتھ آگے لانا چاہیے تھا۔ اور آگے لاتے ہی ہمارے سروں کی طرف فائر کر دینا چاہیے تھا۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر رہا ہے۔ آخر کیوں؟"

"واقعی! یہ بات عجیب ہے۔" فرزانہ نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"اور مجھے اس بات کا اندازہ اس وقت ہی ہو گیا تھا، جب اس نے ہمیں مقابلے کے لیے پکارا تھا۔"

"جی کیا مطلب۔ کیا اندازہ ہو گیا تھا آپ کو۔"

"یہ کہ۔ وہ ایسا کرے گا۔"

"گگ۔ کیسا۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"یہ سر۔ اس کا نہیں۔ ہمارے ساتھی کا ہے۔ جو اس کی قید میں ہے۔"

"کیا!" فرزانہ نے قدرے چلا کر کہا۔

"ہاں! وہ میرے ہاتھوں میرے ماتحت کا خون کروا دینا چاہتا ہے۔"

"اوہ۔ لیکن اس سے اسے کیا فائدہ؟" فرزانہ نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"بس۔ وقتی طور پر یہ بات اس کے ذہن میں آ گئی۔ مجھے ذہنی طور پر پریشان کر کے وار کرنا چاہتا تھا۔"

"ہوں۔ حیرت تو آپ پر ہونی چاہیے۔ کہ اس کی چال کو وقت سے پہلے ہی بھانپ لیا۔"

"نہیں۔ حیرت ویرت کی ضرورت نہیں۔ وہ دیکھو۔ اس نے بھی جان لیا ہے کہ میں اس کی چال کو سمجھ چکا ہوں۔ اب وہ میرے ماتحت کا سر پیچھے ہٹا رہا ہے۔ لو اب اس کے سر آگے کرنے کی باری آ رہی ہے۔"

"لیکن کیا فائدہ۔ آپ تو اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔"

فرزانہ نے کہا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس پر فائر کروں گا ہی نہیں، اگر اس کا کندھا میرے نشانے کی زد میں آ گیا تو میں ضرور فائر کروں گا۔ ہم زخمی حالت میں بھی تو اسے گرفتار کر سکتے ہیں۔"

"لیکن وہ کندھا کیوں باہر نکالنے لگا؟"

"اب شاید وہ کوئی اور چال سوچ رہا ہے، کیوں کہ اس کا سر باہر نہیں نکلا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"محمود اور فاروق نے ابھی تک کام نہیں دکھایا۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا۔

"بھئی انھیں ایک بہت لمبا چکر کاٹنا پڑ رہا ہے۔ پہنچتے پہنچتے ہی پہنچیں گے۔"

عین اسی وقت ایک فائر ہوا۔ لیکن گولی جیپ کو نہیں لگی۔ نہ دائیں بائیں سے گزرتی انھوں نے محسوس کی۔

"انسپکٹر صاحب۔ میں نے یہ فائر ہوائی کیا ہے۔"

"ہوائی فائر کس خوشی میں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایک عدد شکست اور ایک عدد فتح کی خوشی میں۔" وہ ہنسا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"آپ میری چال کو سمجھ گئے۔ اور اپنے ساتھی کے سر پر

گولی نہیں چلائی۔ یہ میری شکست ہے۔ اور آپ نے اپنے دو
بچوں کو میری کمر کی طرف بھیجنے کا پروگرام بنایا۔ اس کا اندازہ
مجھے پہلے سے تھا۔ اس لیے میں اپنی کمر کی طرف سے
غافل کس طرح رہ سکتا تھا۔ لہٰذا محمود اور فاروق اب
میرے ایک ساتھی کی زد پر ہیں۔ ان کی زندگی گویا میرے
اشارے کی محتاج ہے۔"

"اوہ!" ان دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ چہروں کا
رنگ اڑ گیا۔

"محمود۔ فاروق۔ کیا یہ درست ہے۔ تم اس کے ساتھی کی
زد پر ہو؟" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"جی ہاں ابا جان۔ ہمیں بہت افسوس ہے۔"

"اس میں افسوس کی کوئی بات نہیں۔ ایسا تو ہوتا ہی
رہتا ہے۔"

"اب کیا کہتے ہیں انسپکٹر جمشید۔" مونا کا بولا۔

"کہنے کی باری اب تمھاری ہے۔"

"تو پھر تم دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر میرے سامنے آ
جاؤ۔" مونا کا نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن اس سے پہلے اپنا پستول ادھر پھینک دو۔"

"یہ لو۔" انھوں نے کہا اور پستول پھینک دیا۔

"اب تم نے شکست کھائی ہے۔" مونا کا ہنسا۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"تم نہیں کر سکتے۔ میں کر سکتا ہوں۔"

"کر لو۔ کوئی پروا نہیں۔"

اب وہ ہاتھ اٹھائے اونچے ٹیلے کی طرف بڑھنے لگے۔
یہاں تک کہ ٹیلے کے دوسری طرف پہنچ گئے۔ یہاں انھوں نے
اپنے ایک ساتھی کو رسیوں سے بندھے پایا۔ دوسری طرف
محمود اور فاروق ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔ انسپکٹر جمشید ان کی
طرف دیکھ کر مسکرائے، جب کہ ان کے سر شرم سے جھک
گئے۔

"نہیں بھئی۔ شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے
پرسکون آواز میں کہا۔

"ضرورت کس بات کی ہے۔ یہ میں آپ لوگوں کو بتاؤں گا۔"
مونا کا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"چلو۔ بتاؤ بھئی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے

"اپنے پیچھے دیکھیں۔" وہ بولا۔

وہ چاروں مڑے اور دھک سے رہ گئے۔ دس آدمی رائفلیں
لیے کھڑے تھے۔ اور ان کے رخ ان کی طرف تھے:

"یہ کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔
"آپ لوگوں کی موت کا سامان۔"
"اللہ کا شکر ہے۔" فاروق بولا۔
"یہ کیا بات ہوئی۔" اس نے منہ بنایا۔
"مسلمان ہر حال میں اللہ کا شکر کرتا ہے۔ کیا میرے دوست عرفان مجید نے کبھی تمھیں یہ بات نہیں بتائی۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔
"نہیں۔ کبھی اس قسم کی بات اس کے منہ سے نہیں سُنی۔"
"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ اپنے ساتھیوں کو حکم کیوں نہیں دیتے۔ گولیاں چلانے کا۔"
"آپ چاہتے ہیں۔ موت اس قدر آسانی سے آجائے۔" اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔
"تو پھر۔ تم کیا چاہتے ہو۔"
"لمبا پروگرام ہے۔ آپ لوگوں کو خود کو بندھوانا پڑے گا، اور باندھنے کا طریقہ بھی قدرے مختلف ہوگا۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔
"میں سمجھا نہیں۔" وہ بولے۔
"پہلے آپ اپنے تینوں بچوں کو باندھ دیجیے۔ راشو۔ رسی

پھینک دو ان کی طرف۔"
فوراً ہی ریشم کی ڈوری کا ایک گولا ان کی طرف اُچھال دیا گیا۔ انھوں نے اسے کیچ کر لیا اور خاموشی سے ان تینوں کو باری باری باندھ دیا۔
"اپنے ہاتھ کمر کی طرف کر کے سینہ ان رائفلوں کی طرف کر دیں۔"
"اچھا۔" انھوں نے کہا اور ایسا ہی کیا۔
"راشو۔ ان کے ہاتھ باندھ دو۔"
"صرف ہاتھ باس۔" راشو بولا۔
"ہاں۔ صرف ہاتھ۔"
راشو نے ان کے ہاتھ باندھ دیے۔
"اب ٹانگیں باندھو۔ لیکن بچ کر۔ کہیں یہ تم پر اپنے دونوں پیر نہ دے ماریں۔"
"میں اور طریقے سے ان کی ٹانگیں باندھوں گا۔" راشو ہنسا۔
"پہلے مجھے بتا دو راشو۔" وہ بولا۔
"کبھی آپ نے کسی گائے کو ذبح ہوتے نہیں دیکھا۔"
"اتفاق نہیں ہوا۔"
"ذبح کرنے والے جس انداز سے گائے کی ٹانگیں باندھتے ہیں، میں اسی طریقے سے ان کی ٹانگیں باندھوں گا۔"

"چلو۔ شروع ہو جاؤ۔ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ ک
طریقہ ہے۔" موناکا بولا۔

راشو نے ڈوری کا ایک سرا پکڑ لیا۔ گولے پر گرہ
لگائی اور پھر گولا اس کے ہاتھ کے ذریعے گھومنے لگا۔ پھر
یک دم وہ انسپکٹر جمشید کی ٹانگوں کے گرد پھنسنے لگا۔ یہاں
تک کہ کئی بل آ گئے۔ اب اس نے گولے کو پکڑ لیا اور
دور رہ کر اور بل دیتا چلا گیا، پھر ہنس کر بولا:

"گائے اور بڑے جانوروں کو ذبح کرنے کے لیے اس
طریقے سے ان کی ٹانگیں باندھی جاتی ہیں۔ آپ کو یہ طریقہ
پسند آیا؟"

"ہاں بہت۔ لیکن اپنا کام جلدی ختم کرو۔ ابھی ہمیں اور
بھی بہت کام ہے۔" موناکا نے مسکرا کر کہا۔

"میرا کام اب ختم ہو چلا۔ بس ہاتھوں اور ٹانگوں کو آپس
میں باندھنا باقی رہ گیا ہے۔" یہ کہ کر اس نے ڈوری کو
ایک زوردار جھٹکا دیا۔ چوں کہ انسپکٹر جمشید کے دونوں پیر
اب بالکل ساتھ ساتھ تھے، اس لیے وہ سنبھل نہ سکے اور
پہلو کے بل گرے۔ راشو آگے بڑھا اور اب اس نے رسی
کا گولا ان کے دونوں بازوؤں سے نکال کر دونوں ٹانگوں
کے درمیان سے نکالا اور کھینچا۔ پیر ہاتھوں کی طرف اور

پیروں کی طرف بڑھنے لگے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے
ے سرخ ہو گئے۔

"مسٹر موناکا۔ تم سے اس انسانیت سوز ظلم کا بدلہ لیا جائے
" محمود نے تلملا کر کہا۔

"مجھے تو ایسا نظر نہیں آتا۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" فاروق پھنکارا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔ چند منٹ صبر کرو۔"

ادھر راشو رسی پر زور لگا رہا تھا۔ ہاتھ اور پیر ایک
دوسرے کے نزدیک ہوتے جا رہے تھے۔ اور پھر وہ آپس
میں مل گئے۔ انسپکٹر جمشید کا جسم کمان کی طرح مڑ گیا۔
محمود، فاروق اور فرزانہ کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے، ایسے
میں انسپکٹر جمشید کا منہ ان کی طرف مڑ گیا۔ وہ ان کی آنکھوں
میں آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھے:

"یہ کیا۔ تمہاری آنکھوں میں آنسو؟"

"ہمارا۔ ان پر اختیار نہیں ابا جان۔" محمود ہکلایا۔

ادھر راشو ہاتھوں اور پیروں کے گرد رسی کے بل دے
رہا تھا۔

"آخر اس قدر بل دینے کی کیا ضرورت ہے؟" فرزانہ نے
بھنا کر کہا۔

"نہیں فرزانہ۔ ان سے کوئی شکایت کرنا بُزدلی ہو گی" انسپکٹر جمشید بولے۔

"درخواست کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو گا انسپکٹر جمشید۔ میرا پروگرام بالکل فِٹ ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں۔"

"باس۔ انسپکٹر جمشید اب حرکت نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔ ان تینوں کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا ان کے صرف ہاتھ باندھے جانا ہی کافی ہے۔" مونا کا بولا۔

"نہیں! ان کی بھی ٹانگیں باندھنا ہوں گی۔"

"تو پھر جلدی کرو نا۔" اس نے منہ بنایا۔

راشو نے چاقو سے رسی کاٹ ڈالی اور اب محمود کی طرف بڑھا۔ رائفلوں کی موجودگی میں محمود کیا حرکت کر سکتا تھا۔ اس نے خود کو نہایت صبر اور سکون سے بندھوا لیا۔ اس کے بعد فاروق کی باری آئی۔ اس نے بُرے بُرے منہ بنا کر خود کو بندھوایا۔ بلکہ ایک جملہ بھی کہا:

"ہماری باری آنے کی دیر ہے۔ ہم بھی تم لوگوں کو اس طرح باندھیں گے کہ کیا کسی نے کسی کو باندھا ہو گا۔"

"بُری بات ہے فاروق۔ خود پر قابو رکھو۔" محمود نے کہا۔

"بہت اچھا۔ اب میں خود پر قابو رکھ کر بھی دکھاؤں گا۔

اس کی مثال بھی قائم کر دوں گا۔"

"مثال۔ کیا مطلب؟" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بھئی۔ مثال کا مطلب مثال ہوتا ہے۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

اور پھر فرزانہ کی باری آئی۔ جلد ہی وہ بھی بندھی پڑی تھی۔ اب ان کے جسم بھی کمانوں کی طرح مُڑے ہوئے تھے۔

"اب ان چاروں کو بتا دو۔ کہ اس طرح باندھنے کا کیا فائدہ ہوتا ہے۔" مونا کا نے کہا۔

"اوہ ہاں۔ ضرور۔ کیوں نہیں باس۔ سُنیے جناب۔ اس طرح باندھنے کا فائدہ یہ ہے کہ جب بندھے ہوئے لوگوں کو سمندر میں پھینکا جاتا ہے تو وُہ تیرنے کی کوشش ہرگز نہیں کر سکتے۔ اور سیدھے سمندر کی تہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن اگر راستے میں آدم خور مچھلیاں رل جائیں۔ تو پھر انھیں سمندر کی تہ دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔"

"بھئی واہ۔" مونا کا ہنسا۔

"تو آپ لوگوں کا پروگرام ہمیں سمندر میں پھینکنے کا ہے۔"

"ساحل پر نہیں۔ سمندر میں کافی دُور جا کر۔" مونا کا بولا۔

"اللہ مالک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"انسپکٹر۔ اب اپنی عقل کو آواز دو۔ اپنی صلاحیتوں سے کام لو۔ مَیں نے تو تمھاری بہت تعریف سُنی تھی۔"

"ہماری تمام صلاحیتیں۔ تمام ترکیبیں، تمام ہتھکنڈے۔
اللہ تعالیٰ کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ ہم تو صرف
اور صرف حقیر انسان ہیں۔ پانی کے بُلبلے سے زیادہ ہماری
حقیقت نہیں۔ بچانے والی ذات بھی اس کی ہے۔ اور
مارنے والی ذات بھی اس کی۔ ہم کون ہوتے ہیں یہ دعویٰ
کرنے والے کہ ہم خود کو اس مصیبت سے نکال لیں گے
اور نہ ہم یہ بات مانتے ہیں کہ تم ہمیں موت کے گھاٹ
اتار سکتے ہو۔ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے اور ہو
گا۔"

"لے چلو بھئی انھیں۔ میں ساحل پر پہنچ کر آب دوز کو
اشارہ دیتا ہوں۔"

اس نے کہا اور ساحل کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کے
ساتھیوں نے انھیں کندھوں پر ڈالا۔ انسپکٹر جمشید کو دو آدمیوں
نے مل کر کندھوں پر اُٹھایا۔ اور پھر یہ چھوٹا سا قافلہ سمندر
کے کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔ آخر وُہ ساحل پر پہنچ
گئے۔ اب موجوں کا شور بہت بڑھ گیا۔ انھوں نے دیکھا
ساحل پر ایک آب دوز ہچکولے کھا رہی تھی۔ آخر انھیں
اس پر لاد دیا گیا۔ پھر لانچ چلنے لگی۔ ان کے ساتھ وُہ
ان کے اس ساتھی کو لانا نہیں بھولے تھے۔ جس کے ذریعے

انھیں شکار کیا گیا تھا۔

گویا اب آب دوز پر پانچ قیدی تھے۔ آب دوز اب
بجلی کی سی تیزی سے سمندر میں بڑھ رہی تھی، لیکن ابھی
وُہ آب دوز کو پانی کے نیچے نہیں لے گئے تھے، وُہ پانی
کے اوپر ہی تھی۔ آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد موناکا کی آواز
سُنائی دی:

"بس۔ کافی فاصلہ طے ہو گیا۔ اب آگے بڑھنے سے پہلے
ان لوگوں سے ہمیشہ کے لیے رُخصت ہو جانا چاہیے۔"

"او کے باس۔ ابھی لیجیے۔" راشو نے چہکتی آواز میں
کہا۔

آب دوز رک گئی۔ چاروں طرف پہاڑوں جتنی اونچی
موجیں اُٹھ رہی تھیں۔ سب سے پہلے انسپکٹر جمشید کو اُٹھایا
گیا۔ انھوں نے پورے صبر اور سکون سے کہا:

"اللہ حافظ میرے بچو۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔"
انھوں نے بھی ایک ساتھ اللہ حافظ کہا اور کلمہ پڑھا۔
ساتھ ہی ایک چھپاکے کی آواز سنائی دی۔

"ابا جان!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
انھیں اپنے دل بیٹھتے محسوس ہوئے۔ اسی وقت ان تینوں
کو بھی تین آدمیوں نے اُٹھایا اور سمندر میں پھینک دیا۔ ان

کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

"اللہ۔"

پھر ان کے ساتھی کو بھی سمندر میں پھینک دیا گیا۔

اور آب دوز آگے بڑھ گئی۔ ساتھ ہی وہ پانی کی سطح کے نیچے جانے لگے۔ یہاں تک کہ غائب ہو گئے۔

امتحان

سمندر کے پانی میں پہلے تو وُہ نیچے گرتے چلے گئے، پھر پانی نے اُنھیں اُوپر اُچھالا۔ پھر نیچے گئے اور پھر اُوپر اُچھلے۔ پھر پانی ان کے منہ کے ذریعے پیٹ میں داخل ہونے لگا اور وُہ ڈوبنے لگے۔ انھوں نے محسوس کر لیا۔ آخری وقت آ پہنچا۔ دل ہی دل میں انھوں نے اللہ کو یاد کیا۔ اور پھر ان کے ہوش جاتے رہے۔

ایک زور دار طمانچے نے فارُوق کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔ نیلے لباس میں ایک خوب صُورت سا آدمی اس پر جھکا ہوا تھا۔

"مم۔ مجھے نہ ماریے فرشتے صاحب۔ مَیں تو دُنیا میں نماز پڑھتا تھا۔ روزے رکھتا تھا۔ اور بھی کئی نیک کام کیا کرتا تھا۔"

"فرشتے صاحب!" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر آپ کو اپنے نام کے ساتھ صاحب کا لفظ اچھا نہیں لگا تو میں یہ لفظ واپس لیتا ہوں۔ ہاں تو مسٹر فرشتے۔ مم۔ مگر نہیں۔ آپ لوگوں کے ہاں مسٹر کا لفظ بھی تو نہیں چلتا ہو گا۔ خیر۔ یوں سہی۔ پیارے فرشتے۔ میں بُرا انسان نہیں ہوں۔ آپ مجھے کیوں مار رہے ہیں؟"

"ہوش میں لانے کے لیے۔" فرشتہ بولا۔

"تت۔ تو۔ کیا۔ یہاں ہوش میں لانے کا بس یہی ایک طریقہ ہے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں۔ پہلے ہم نے تمہارے پیٹوں میں سے سمندری پانی نکالا۔ پھر حرارت پہنچائی۔ انجکشن دیے گئے۔ اور آخری حربہ طمانچہ تھا جو استعمال کیا گیا۔"

"انجکشن۔ ارے تو کیا یہاں بھی انجکشن لگائے جاتے ہیں۔"

"کہاں۔ نہ جانے تم کیا سوچ رہے ہو۔ ارے بھئی۔ تم اس وقت ایک عدد بحری جہاز پر ہو۔ ہم نے تم لوگوں کو سمندر کی اچھالوں پر اوپر نیچے ہوتے دیکھا تھا، پھر ہم نے جال پھینک کر تم لوگوں کو کھینچ لیا۔"

"آ۔ آپ کا۔ آپ کا مطلب ہے۔ ہم زندہ ہیں۔" فاروق چہکا۔

"ہاں بالکل۔"

"ارے۔ میرے باقی ساتھیو سُنا۔ ہم زندہ ہیں۔"

"ابھی ان کو ہوش میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"اوہ۔ تو سب سے پہلے میں ہوش میں آیا ہوں۔"

"نہیں۔ تم سے پہلے یہ ہوش میں آئے ہیں، لیکن انھوں نے تمہاری طرح اوٹ پٹانگ باتیں نہیں کیں۔" نیلے لباس والے نے کہا۔

فاروق نے جلدی سے مُڑ کر دیکھا۔ وُہ انسپکٹر جمشید تھے اور مسکرا رہے تھے:

"میں نے کہا تھا نا۔ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔" وُہ بولے۔

"بے شک ابا جان۔ ہمارا یہی ایمان ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔"

اور پھر محمود، فرزانہ اور ان کا پانچواں ساتھی بھی ہوش میں آ گئے۔ انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر انسپکٹر جمشید نیلے لباس والے کی طرف متوجہ ہوئے:

"یہ جہاز کہاں جا رہا ہے؟"

"افریقہ۔"

"ارے۔ یہ تو ہمارے مُلک کا جہاز ہے۔" انسپکٹر جمشید کی نظر جہاز پر نصب اپنے مُلک کے جھنڈے پر پڑی۔

"وہ مارا۔"

"تو آپ ہمارے ہم وطن ہیں۔"

"ہاں بالکل۔"

"آپ لوگ کون ہیں اور اس طرح باندھ کر سمندر میں آپ کو کن لوگوں نے پھینکا تھا؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ خیر میں سناتا ہوں۔"

اور انسپکٹر جمشید نے اسے ساری تفصیل سنا دی۔ ان کے خاموش ہونے پر وہ بولا:

"میں کیپٹن خرم ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ آپ کو وطن کس طرح بھیجا جائے؟"

"نہیں۔ ہم افریقہ ہی جانا پسند کریں گے۔ اگر آپ کو کوئی الجھن نہ ہو۔"

"نہیں۔ کوئی الجھن نہیں۔"

"بس تو پھر۔ ہم آپ کے ساتھ سفر کریں گے۔" انھوں نے کہا۔

ان کا سفر سات دن تک جاری رہا۔ اور آخر وہ افریقہ کے ساحل پر اترے۔ انھیں یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے دفتر میں اپنا تعارف کرانا پڑا۔ ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا، پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"یہاں میرے ایک دوست رہتے ہیں۔ مجھے ان سے ملاقات کرنا ہے۔ اس لیے ایک جیپ دی جائے۔ اور بہتر ہوگا کہ ایک جیپ ڈرائیور ہماری رہنمائی کے لیے ہمارے ساتھ کر دیا جائے۔"

"فکر نہ کریں۔ یہ انتظام ابھی کر دیا جائے گا۔"

جلد ہی وہ جیپ میں بیٹھے عرفان مجید کی رہائش کی طرف اڑے جا رہے تھے۔

"لیکن ابا جان۔ آپ ان سے مل کر کیا کریں گے؟"

"موناکا کے بارے میں بات کریں گے۔ اور کیا۔" انھوں نے کہا۔

"کک۔ کیا۔ کیا۔ مم۔ موناکا۔" جیپ چلانے والا افریقی کانپ اٹھا۔ اس کے ہاتھ سٹیرنگ پر جمے نہ رہ سکے۔ جیپ ڈول گئی۔ لیکن پھر اس نے جیپ پر قابو پا لیا۔

"خیر تو ہے۔ بھئی۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"وہ۔ وہ تو بہت خطرناک آدمی ہے۔"

"تت۔ تو کیا۔ وہ یہاں کا کوئی بہت مشہور آدمی ہے؟"

"ہاں! پولیس والے اس سے بہت گھبراتے ہیں۔"

"اگر ایسی بات ہے۔ تو اسے گرفتار کیوں نہیں کر لیا جاتا۔"

"ثبوت کے بغیر۔ کس طرح گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر

ان گنت آدمی اس کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ وہ اس کی خاطر
جان دینا پسند کرتے ہیں۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیتے۔"

"اوہو اچھا۔ تو اس نے باقاعدہ یہاں طاقت حاصل کر
رکھی ہے۔"

"جی ہاں! پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈالتی۔ نہ آج تک
اس کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کر سکی ہے۔"

"یہ شخص کرتا کیا ہے؟"

"حکومتوں کے راز حاصل کر کے ان کی دشمن حکومتوں کو بیچ
دیتا ہے۔ یہی اس کا کاروبار ہے۔" اس نے بتایا۔

"ہوں۔ لیکن جناب۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ کی
حکومت اسے گرفتار کرنا چاہے اور آپ لوگ اس کے خلاف
قطعاً کوئی ثبوت ہی نہ حاصل کر پائیں۔"

"یہی ہو رہا ہے۔ اس کے خلاف ثبوت حاصل کرنے
کی سرتوڑ کوشش کی جا چکی ہے۔"

"کیا آپ کو معلوم ہے۔ آج کل وہ کہاں ہے۔ ملک
میں ہی ہے یا ملک سے باہر۔"

"یہی تو مشکل ہے۔ اس کے بارے میں کسی کو کچھ
معلوم نہیں ہوتا۔ کہ وہ کہاں ہے۔ اور کسی میک اپ میں
ہے۔ وہ میک اپ اور آواز کا ماہر ہے۔ ہمارے ریکارڈ میں

ی کی اصل تصویر بھی موجود نہیں ہے۔ بس جس جس
اپ میں اسے دیکھا جا چکا ہے۔ اس اس شکل کی
یر ریکارڈ میں موجود ہے۔"

"ب تو آپ جیپ روک لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ کیا مطلب۔ جیپ روک لوں۔"

"ہاں۔ محکمہ سراغ رسانی کے دفتر واپس چلیں۔ آپ کے آفیسر
مونا کا کے بارے میں تفصیلی بات کروں گا، کیوں کہ میں
ے مل چکا ہوں۔"

"کیا کہا۔ آپ اس سے مل چکے ہیں۔" جیپ ڈرائیور نے
نک کر کہا۔

"ہاں بالکل۔ بلکہ وہ مجھ سے مل چکا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"وہ میرے ہاں بطورِ مہمان ٹھہرا تھا۔"

"اوہ۔ لیکن اس میں بھی اس کی کوئی چال ہو گی۔
کیوں کہ وہ کوئی غریب یا کنجوس آدمی تو ہے نہیں کہ کسی
کے گھر جا کر ٹھہرے۔"

"ہاں! آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ وہ میرے گھر سے کچھ
قیمتی راز چرانے کا پروگرام بنا کر وہاں پہنچا تھا۔"

"دیکھا آپ نے۔ میرا اندازہ کتنا درست ہے۔" اس نے

خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! بالکل۔"

جیپ واپس مڑ گئی۔ محکمہ سراغ رسانی کی عمارت میں
ان کی ملاقات میجر جلاور سے کروائی گئی۔ جلاور ان کا نام
سن کر زور سے چونکا۔ پھر انسپکٹر جمشید نے اپنی کہانی
اسے سنائی۔

"حیرت انگیز۔" میجر جلاور نے ان کے خاموش ہونے پر کہا
"میں اپنے دوست عرفان مجید صاحب سے ملنے کے لیے
روانہ ہو چکا تھا۔ راستے میں موناکا کا ذکر چھڑ گیا۔ لہٰذا
راستے سے ہی لوٹ آیا۔ تاکہ پہلے موناکا کے بارے میں
بات ہو جائے۔"

"شکریہ۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"پہلے آپ بتائیے! آپ کیا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید
مسکرائے۔

"میں سمجھا نہیں! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" میجر جلاور
بولا۔

"کیا آپ موناکا کو گرفتار دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"بھلا میں ایسا کیوں نہ چاہوں گا۔ میں ہی کیا۔ میرے
ملک کے تمام اعلیٰ آفیسر اس بات کے خواہش مند ہیں۔

لیکن چونکہ یہ کام آسان نہیں۔ اس لیے کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ بات تو معلوم ہو گئی۔ میں بھی یہی
چاہتا ہوں کہ موناکا کو گرفتار کر کے آپ کے حوالے کر دوں،
اگر میں ایسا کر گزرا تو آپ میں سے کسی کو کوئی اعتراض
تو نہیں ہو گا۔"

"بھلا۔ اس میں اعتراض کی کیا بات۔" میجر جلاور نے
حیران ہو کر کہا۔

"اعتراض کی بات ہو بھی سکتی ہے۔"

"مجھے تو دور دور تک نظر نہیں آتی۔" اس نے انکار میں
سر ہلایا۔

"بہتر ہو گا کہ آپ اپنے تمام اعلیٰ حکام سے مشورہ کر
لیں۔"

"اگرچہ اس میں مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، پھر
بھی میں آپ کی خواہش کا احترام کروں گا۔"

"بہت بہت شکریہ!"

میجر جلاور نے اِدھر اُدھر فون کرنا شروع کیے۔ اور پھر
ایک گھنٹے کے بعد وہاں بیس کے قریب آفیسر پہنچ گئے۔
میجر نے پہلے تو ان سے تعارف کروایا اور پھر ان کی
کہانی سنائی۔ اس کے بعد اس نے کہا!

"اب انسپکٹر جمشید چاہتے ہیں۔ موناکا کو یہ گرفتار کریں اور ثبوت سمیت ہمارے حوالے کر دیں۔"

"اس سے اچھی بات بھلا کیا ہو سکتی ہے۔" کئی آوازیں اُبھریں۔

"اس میں ایک بُرا پہلو بھی ہے۔" کسی نے کہا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ایس پی غارا۔ آپ کا اشارہ کس بُرے پہلو کی طرف ہے؟" ایک آفیسر نے پُوچھا۔

"دُوسرے ممالک میں ہمارا خوب مذاق اڑے گا۔ کہ ان کے اپنے محکمے کے لوگ تو موناکا کو گرفتار نہیں کر سکے۔ باہر سے ایک آدمی آکر اسے گرفتار کر ڈالا۔"

"اوہ!" کئی آوازیں اُبھریں۔

"دیکھا میجر صاحب۔ اعتراض کا پہلو نکل آیا یا نہیں۔ اسی لیے میں نے تجویز رکھی تھی کہ سب سے مشورہ کر لیا جائے۔"

"بات واقعی بہت اہم ہے۔" میجر جلاور بولا۔

"ہُوں!" کمرے میں آوازیں اُبھریں اور پھر وُہ سب سوچ میں پڑ گئے۔ آخر ایس پی غارا نے کہا:

"میں تو یہی کہوں گا کہ انھیں اس کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ اپنے دوست سے ملنے یہاں آئے ہیں، اس سے

مل لیں اور یہاں سے رُخصت ہو جائیں۔ موناکا سے ہم خود نبٹ لیں گے۔"

"مُشکل یہ ہے کہ موناکا سے میرا بھی واسطہ پڑ چکا ہے، مجھے بھی اس سے اپنے راز حاصل کرنا ہیں۔ آپ لوگ کیا مجھے اس کی بھی اجازت نہیں دیں گے۔ پہلے میں اسے گرفتار کر کے چُپ چاپ آپ کے حوالے کر دوں گا۔ میرا نام درمیان میں ہرگز نہیں آئے گا۔ اس طرح تو آپ کے مُلک کی سُبکی نہیں ہو گی۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

وُہ ایک بار پھر سوچ میں گم ہو گئے۔ آخر ایک آفیسر نے کہا:

"میرا خیال ہے۔ انسپکٹر جمشید صاحب نے اب اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔"

"ہاں!" ایس پی غارا نے کہا۔

"تو پھر یہ طے رہا۔ کہ انسپکٹر جمشید اپنے نام کو درمیان میں نہیں لائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔" وُہ فوراً بولے۔

"ٹھیک ہے۔ یہ اجلاس آپ کو کھُلی اجازت دیتا ہے اور ہر طرح آپ کی مدد کرنے کی بھی منظوری دیتا ہے۔"

آپ کو جب بھی کوئی پریشانی ہو یا مدد کی ضرورت ہو ۔
آپ میجر جلاور کو وائرلیس پر اشارہ کر دیں گے ۔ یہ فوراً آپ
کی مدد کو پہنچ جائیں گے ۔ وائرلیس سیٹ بھی آپ کو یہی
مہیا کریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ انسپکٹر جمشید نے بھی میجر جلاور
سے وائرلیس سیٹ لیا اور اس سے اجازت لی ۔ اب وہ پھر
اسی جیپ میں بیٹھ کر عرفان مجید کی طرف روانہ ہوئے ۔

"یہ چکر سمجھ میں نہیں آیا۔" ڈرائیور بڑبڑایا۔

"کون سا چکر۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہی ۔ آپ کا راستے سے ہی لوٹ آنا ۔ اس میٹنگ میں
شرکت کرنا ۔ اور اب پھر اسی طرف چل پڑنا۔"

"آپ ذہن کو نہ اُلجھائیں ۔ ہمارے طریقے ذرا اسی قسم
کے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ آپ کے ساتھی گونگے ہیں؟"

"اوہ نہیں ۔ یہ نمبر ۱۳ ہیں ۔ بھئی نمبر ۱۳ ۔ واقعی ۔ تم تو
گونگے بن کر رہ گئے ہو ۔ بات چیت میں حصہ لیا کرو ۔
یوں وقت کیسے گزرے گا۔"

"جج ۔ جی بہتر!" اس نے کہا۔

...وہ ۔ میں تو واقعی انھیں گونگا خیال کر بیٹھا تھا۔"
...ہمیں کتنی دیر لگے گی؟"
...یس منٹ کا اور راستا ہے۔" اس نے کہا۔
...وہ سوچ میں گم ہوگئے اور پھر جیپ رُکنے کی آواز
... چونکے :

...لیجیے ۔ ہم پہنچ گئے۔"

...وہ جیپ سے اُترے ۔ ان کے سامنے ایک شان دار
...مکان تھا :

...یہ ہے ۔ مسٹر عرفان مجید کا مکان۔"

...حیرت ہے ۔ اتنا شان دار مکان ۔ یہ انھوں نے کرائے
...پر تو لیا نہیں ہوگا۔" محمود بولا۔

...ارے نہیں صاحب ۔ مسٹر عرفان مجید بہت دولت مند آدمی
...ہیں ہمارے ملک کے۔"

"یہ آپ کے ملک کے کس طرح ہو گئے جناب ۔ جب کہ یہ
...ہمارے ملک کے۔"

"پیدا آپ کے ملک میں ہوئے تھے ۔ اب یہاں کی رہائش
...اختیار کر چکے ہیں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے ۔ خیر ۔ آپ انھیں اطلاع دیں ۔ دروازے
پر کھڑے رہ کر باتیں کرنا تو مناسب نہیں۔" انسپکٹر جمشید جلدی

سے بولے ۔

ڈرائیور نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا ۔ فوراً ہی دروازے
پر لگی پلیٹ پر آواز اُبھری :

" کون ؟ "

" انسپکٹر جمشید ۔" وہ بولے ۔

" کیا نام لیا ؟ " دُوسری طرف سے حیرت زدہ انداز میں
کہا گیا ۔

" انسپکٹر جمشید ۔"

" انسپکٹر جمشید ۔ آپ یہی نام لے رہے ہیں نا ۔" دُوسری
طرف سے کہا گیا ۔

" ہاں ۔ بالکل ۔" انھوں نے کہا ۔

" یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔" اندر سے حیرت بھری آواز میں
کہا گیا ۔

" کیوں ۔ اس میں کیا مُشکل ہے ۔ کیا مَیں یہاں نہیں آ
سکتا ۔" انھوں نے کہا ۔

" اوہ ۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا ۔ اگر میرے دوست انسپکٹر
جمشید کے یہاں آنے کا پروگرام ہوتا تو وہ مجھے باقاعدہ اطلاع
دے کر آتے ۔ بغیر اطلاع ان کے آنے کا اُصول نہیں ہے ۔"
دُوسری طرف سے آواز آئی ۔

" ہاں عرفان مجید ۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ۔ لیکن جن حالات
میں مَیں یہاں پہنچا ہُوں ۔ ان حالات میں مَیں اطلاع دے
ہی نہیں سکتا تھا ۔"

" ایک منٹ ۔ پہلے مَیں اپنا اطمینان کروں گا ۔ پھر آپ
لوگوں کے لیے دروازہ کھولوں گا ۔"

" ضرور کریں ۔ ضرور کریں اطمینان ۔"

دو منٹ گزر گئے ۔ پھر آواز اُبھری :

" ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میرے دروازے پر انسپکٹر
جمشید ہی موجود ہیں ۔ لیکن یہ کمال میک اَپ کا بھی تو ہو
سکتا ہے ۔ اس لیے مَیں ضرور اطمینان کروں گا ۔ دروازہ کھول
رہا ہُوں ۔ آپ لوگ اندر چلے آئیے ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھُل گیا ۔ وہ اندر داخل
ہونے لگے :

" میرے لیے کیا حکم ہے جناب ؟ " جیپ کے ڈرائیور
نے پُوچھا ۔

" آپ بھی ساتھ آ جائیں ۔ اگر واپس جانے کی جلدی نہیں
ہے ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ۔

" جلدی ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔ مجھے تو میجر جلاور صاحب
کی ہدایات یہ ہیں کہ مَیں ہر وقت آپ کے حکم پر عمل

کرتا رہوں۔ یہ بات تو میں نے اس لیے پوچھی تھی کہ
کہیں میرا اندر داخل ہونا آپ کو پسند نہ آئے۔" جیپ کے
ڈرائیور نے جلدی جلدی کہا۔

"شکریہ۔ آپ بہت اچھے ہیں۔ آپ کا نام کیا ہے؟"
انھوں نے پوچھا۔

"جی میں راحل کو ہوں۔" اس نے کہا۔

اور وہ سب اندر داخل ہو گئے۔ ان کے پیچھے دروازہ
خود بخود بند ہو گیا۔ اب وہ ایک راہداری میں چل رہے
تھے۔ اسی وقت پھر آواز ابھری:

"کمرہ نمبر تین میں داخل ہو جائیں۔"

"آخر اس قدر احتیاط کی کیا ضرورت ہے عرفان مجید۔" انسپکٹر
جمشید نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"ابھی جب میں اپنے حالات سناؤں گا تو آپ کو معلوم
ہو جائے گا کہ احتیاط کی کس قدر ضرورت ہے۔"

"اوہ اچھا۔"

اور پھر وہ کمرہ نمبر تین کے سامنے پہنچ گئے۔ یہ دروازہ
بھی خود بخود کھل گیا۔ جوں ہی یہ لوگ کمرے میں داخل
ہوئے۔ دروازہ بند ہو گیا۔ اندر کرسیاں بچھی تھیں:

"تشریف رکھیے۔" آواز آئی۔

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو
...ما:

"عرفان۔ اب یہ مذاق بند کرو۔"

"میرے دوست۔ میں آپ سے مذاق ہرگز نہیں کر رہا،
آپ کو صرف چند منٹ اور انتظار کرنا ہوگا۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

اسی وقت انھوں نے محسوس کیا۔ کہ کمرے کا درجۂ حرارت
...ی سے بڑھ رہا ہے۔ کمرے کے ایک کونے میں لگی
...میں سے شدید گرم ہوا اندر داخل ہونے لگی تھی،
...چوں کہ ہر طرف سے بالکل بند تھا۔ اس لیے فوراً
...گرم ہونے لگا:

"یہ۔ یہ کیا عرفان مجید۔ یہاں اتنی سردی تو نہیں ہے کہ
...نے یہ گرم ہوا چھوڑ دی۔"

"مجھے افسوس ہے۔ آپ لوگوں کو اس امتحان سے بھی
...رنا پڑے گا۔"

"کیا مطلب۔ یہ امتحان ہے؟"

"ہاں!" دوسری طرف سے کہا گیا۔

اور پھر کمرہ بری طرح گرم ہو گیا۔ ان کے
...سم جلنے لگے۔ وہ بری طرح گھبرا گئے۔ اپنے کپڑے

اُتارنے لگے۔ پہلے کوٹ اُترے، پھر قمیضوں کی باری آئی۔ فرزانہ بے چاری تو کچھ بھی نہ کر سکی۔ مارے پسینے کے ان کا بہت بُرا حال تھا۔ پھر وہ اپنے بال نوچنے لگے۔ چہرے نوچنے لگے۔ ان کی حالت دیوانوں کی سی ہو گئی۔

موناکا کے قیدی

کا انعامی سوال

"موناکا کے قیدی" اور "موناکا کے دیس میں" کا مشترکہ انعامی سوال "موناکا کے دیس میں" کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

ادارہ

ایک ہزار روپے کا نقد انعام

پہلے سو درست جوابات میں قرعہ اندازی کے ذریعے ایک انعام دیا جائے

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف، فرحت اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم ۱۶۶

خطرناک دس

مصنف: اشتیاق احمد

- شوکی برادرز کو صدرِ مملکت کا اچانک بلاوا —
- ایوانِ صدر کے سامنے محمود، فاروق اور فرزانہ سے سامنا —
- ایوانِ صدر میں آفتاب، آصف اور فرحت بھی موجود —
- حلیے درست کرنے کے لیے شوکی برادرز کو غسل خانوں کا رُخ کرنا پڑا، لیکن
- اس لیکن سے ایک ہنگامہ خیز کہانی کی ابتدا —
- انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کہاں تھے؟
- اس سوال کی گونج آپ اپنے ذہنوں میں محسوس کریں گے —
- چار حصوں پر مشتمل مشترکہ مہم - آپ ترتیب سے پڑھنے کا ضرور خیال رکھیں

قیمت فی حصہ: ۶/۵۰ روپے

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف، فرحت اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم ۱۶۷

ہنگامہ آرا دس

مصنف: اشتیاق احمد

- خطرناک دس سے اگلا حصہ ہنگامہ آرا دس —
- گرین دھارا بلڈنگ میں کیا ہو رہا تھا —
- فرزانہ اوپر کیا کرنے گئی تھی —
- مکھن اور اخلاق میدانِ عمل میں —
- فاروق اور آفتاب جب ایک گروپ بنے —
- شار کلب میں ان پر کیا بیتی —
- ہر قدم پر سسپنس میں اضافہ، ہر لمحے نئی دھڑکنیں —
- اس حصے کے آخری الفاظ آپ کو تیسرے حصے کی طرف لپک پڑنے پر مجبور کر دیں گے —

قیمت فی حصہ: ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف، فرحت اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم ۱۶۸

سنسنی خیز دس

—مصنف: اشتیاق احمد—

- ٹیکسی ڈرائیور دراصل کون تھا — ایک حیرت انگیز انکشاف —
- رفیق فٹادا کی کوٹھی میں کیا ہو رہا تھا —
- گرین دھارا بلڈنگ کے سامنے ایک عجیب منظر انھیں نظر آیا —
- اور جب ایک بار پھر وہ جمع ہوئے —
- صدرِ مملکت سے ان کی حیرت انگیز گفت گو — انھیں دانتوں پسینہ آجاتا ہے —
- فاروق کی چال پر آپ عش عش کر اُٹھیں گے —
- لیکن چال کا انجام کیا ہوا — فائدہ کیا ہوا —
- ہر قدم پر نئے نئے فتنے — آخری حصّے کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے حالات —

قیمت فی حصّہ ۶/۵۰ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف، فرحت اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم ۱۶۹

مہم جو دس

—مصنف: اشتیاق احمد—

- ایک عجیب لڑکی قہقہہ لگاتی چلی آرہی تھی — ایک کے پیچھے ایک خوفناک کُتا تھا —
- اور پھر کُتا ان پر جھپٹ پڑا — کُتے سے خوف ناک لڑائی —
- جال میں پھنسنے کے بعد ان پر کیا بیتی —
- دشمنوں کا منصوبہ کیا تھا — اصل مُجرم کیا چاہتا تھا —
- آخر میں ایسے ہولناک مناظر کہ آپ لرز لرز اُٹھیں گے اور ایک خُونی سازش آپ کے سامنے ہوگی —
- آخری لڑائی جو حد درجے خطرناک تھی —
- باس سے زبردست مقابلہ — لیکن مقابلے کا انجام غیر متوقع تھا —
- وہ باس تک کس طرح پہنچے — آپ کے منہ کُھلے کے کُھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی —
- اس سلسلے کا آخری حصّہ پہلے خریدنا نہ بُھولیں —

قیمت فی حصّہ: ۶/۵۰ روپے

وناکا کے دیس میں

اشتیاق احمد

موناکا کے دیس میں

اشتیاق احمد

★

نام ناول ـــــ مونا کا کے دیس میں

طابع ـــــ اشتیاق احمد

مطبع ـــــ زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

طباعت سرورق ـــــ سپریم پرنٹرز، لاہور

آرٹسٹ ـــــ محمد جاوید چغتائی

کتابت ـــــ محمد سعید نامدار

قیمت ـــــ [illegible] روپے

سالانہ قیمت ـــــ ۲۵۰/۰۰ روپے
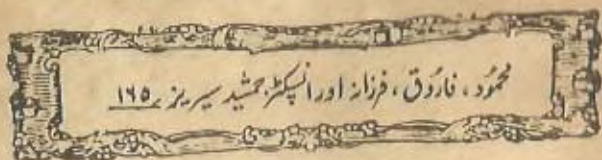
حدیث شریف

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں نے سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قیامت کے دن ہر دغا باز کے لیے ایک جھنڈا ہو گا۔

(یعنی اس جھنڈے سے وہ پہچانا جائے گا)

ـــ مسلم ـــ

السلام علیکم!

کراچی سے مسٹر عدنان حسن کا ایک خط ۵ مارچ ۱۹۸۶ء کا تحریر کردہ مجھے ملا۔ خط پڑھ کر میں حیرت کے سمندر میں ڈوب گیا۔ پہلی بار تو سمجھ میں ہی نہ آسکا کہ وہ کہ کیا رہے ہیں۔ خیر۔ خط کو سنبھل کر پھر پڑھا۔ اور کتنے سیکنڈ تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہ گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یار لوگ میرے خلاف اس قسم کی بھی کوئی سازش کر سکتے ہیں، جب سے میں نے اپنے ناول خود شائع کرنا شروع کیے ہیں، کتنی قسم کی سازشوں کا شکار بن چکا ہوں، کبھی کوئی جعلی اشتیاق نمودار ہوا، کبھی جعلی مکتبہ اشتیاق بنا۔ کبھی کراچی سے نقلی ناول شائع ہوئے تو کبھی ملتان سے۔ میرے قارئین مجھے ہر وقت خبردار کرتے رہے۔ اور میں ان کی سازشوں کے پردے چاک کرتا رہا۔ آپ کو برابر خبردار کرتا رہا۔ یہ سب باتیں آپ کے علم میں ہیں۔ لیکن اس بار کی سازش نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ واقعی جھوٹ کے پیر نہیں ہوتے۔ جھوٹے کا منہ کالا اور قرآن کریم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کا اعلان کر رہا ہے۔ ان شاء اللہ ان جھوٹوں پر بھی ایسی لعنت برسے گی کہ کہیں کے نہ رہیں گے۔

اب آپ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہو گا۔ اور آپ اس سازش کے بارے میں جاننے کے لیے بُری طرح بے چین ہو چکے ہوں گے۔ لیکن دو باتیں کے اس صفحے میں اتنی وسعت کہاں کہ اس کہانی کو سمیٹ سکے۔ لہٰذا اس ناول کے آخر میں — "میرے خلاف ایک گھناؤنی سازش" ـ کے عنوان سے تمام تر تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ اور دنگ رہ جائیں۔

اشتہار

"عرفان مجید۔ آخر تمہارا یہ امتحان کب ختم ہو گا۔ جب ہم سب کے دم لبوں پر آ جائیں گے؟" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں چلائے۔

"نہیں! اگر آپ لوگ اپنے چہروں سے میک اپ اُتار دیں تو یہ امتحان اسی وقت ختم ہو جائے گا۔ اور ہم دوستانہ فضا میں بات چیت کر سکیں گے" عرفان مجید کی آواز سُنائی دی۔

"شاید میں اپنے دوست عرفان مجید کی بجائے کسی دشمن عرفان مجید کے گھر آ گیا ہوں" انسپکٹر جمشید نے تلملا کر کہا۔

"یہ بات بھی نہیں۔ اگر آپ واقعی انسپکٹر جمشید ہیں تو میں بھی عرفان مجید ہی ہوں۔ یعنی آپ کا دوست۔ لیکن آپ کو ابھی معلوم نہیں کہ میں کن حالات میں گھرا ہوا ہوں"

"معلوم کرنے کے قابل چھوڑو گے تو معلوم کر سکیں گے

نا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بس - چند منٹ اور۔" عرفان مجید کی ہنسی کی آواز سُنائی دی۔

"کیا کہا - چند منٹ اور۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔ چند منٹ میں تو ہمارے کباب تیار ہو جائیں گے۔"

"جی ہاں - سالم کباب۔" فاروق بولا۔

"چند منٹ بعد طاقت ور سے طاقت ور قوّتِ ارادی والا انسان بھی اپنا میک اپ پھینکے گا۔ بلکہ اتار کیا پھینکے گا، میک اپ بے چارہ خود اُتر جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔ تم اپنے دل کی تمام حسرتیں آج اس وقت پوری کر لو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

اور پھر ان کے جسم گویا جلنے لگے۔ انھیں یُوں لگا جیسے آگ ان کے اندر بھڑک رہی ہو۔ وہ اُچھلنے اور کودنے لگے۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے ایک بار پھر کہا:

"یہ میری اور تمھاری دوستی کا آخری دن ہے عرفان۔ اب ہم دوست نہیں رہیں گے۔"

"ایسا نہ کہیے انسپکٹر جمشید۔ میں تو آپ کی دوستی پر ہمیشہ فخر کرتا رہا ہوں۔"

اس فخر کا ہمیں کیا فائدہ۔ ہم تو جل رہے ہیں۔"

"بس - ذرا دیر اور۔"

"کوئی پروا نہیں - اپنا کام جاری رکھیں۔" انھوں نے بھنّا کر کہا۔

اب ان کے جسموں کی حالت حد درجے ردّی ہو چکی تھی۔ وہ اپنی بوٹیاں نوچ رہے تھے۔ اگر وہ میک اپ میں ہوتے تو اس وقت سے بہت پہلے میک اپ اتار کر پھینک چکے ہوتے، لیکن مشکل تو یہ تھی کہ وہ میک اپ میں نہیں تھے۔ اور آخر انھوں نے سُنا۔ عرفان مجید کہ رہا تھا:

"اب مجھے یقین آگیا۔ تم تو واقعی میرے دوست انسپکٹر جمشید ہو۔"

"لیکن کمرے کا درجہ حرارت کم نہ کرنا۔ کہیں تمھارے یقین میں کوئی کمی نہ آ جائے۔" انسپکٹر جمشید نے جل کر کہا۔

یک لخت درجہ حرارت کم ہونے لگا۔ انھیں ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ جان میں جان آنے لگی۔ چند منٹ بعد کمرے میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ اور پھر ایک جعلی دروازہ کھلا۔ لمبے قد کا ایک پتلا دبلا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس نے دوستانہ انداز میں دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھے،

"میرے دوست۔ آگے بڑھ کر میرے گلے لگ جاؤ۔"

"ہرگز نہیں۔ میں ابھی اور اسی وقت یہاں سے واپس جاؤں گا۔ ہمارے ساتھ تم نے دو شریف آدمیوں کو بھی شدید اذیت دی ہے۔ میں تم پر مقدمہ دائر کروں گا۔"

"ارے ارے۔ یہ تم کیا کر رہے ہو میرے دوست۔ یہ تو صرف ایک امتحان تھا۔ پہلے میری کہانی تو سن لو۔ میرے حالات تو سن لو۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔" وہ بولے۔

"اس طرح انصاف نہیں کر سکو گے۔"

"اور تم نے تو جیسے بہت انصاف کیا ہے ہمارے ساتھ۔" انسپکٹر جمشید نے جل کر کہا۔

"کیا تم میری کہانی بھی نہیں سنو گے۔"

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ بھئی چلیں۔" انھوں نے پیر پٹخ کر کہا۔

اور پھر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔ عرفان مجید ان کے راستے میں آ گیا اور ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا:

"پہلے میری کہانی سن لو۔ پھر بے شک چلے جانا، لیکن کہانی سنے بغیر جانا زیادتی ہوگی۔"

انسپکٹر جمشید چند سیکنڈ تک اسے گھورتے رہے، آخر بولے:

"ٹھیک ہے۔ ہم کہانی سن لیتے ہیں، لیکن میں یہاں رکنے کا کوئی وعدہ نہیں کروں گا۔"

"نہ کرو وعدہ۔ بس کہانی سن لو۔ کہانی سن کر تم صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ جاؤ گے۔"

"نہیں۔ میرا غصہ پھر بھی برقرار رہے گا۔"

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہم دوسرے کمرے میں چل کر بیٹھیں گے۔"

عرفان مجید انھیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ جلد ہی اس کے بیوی بچے بھی کمرے میں آ گئے۔ دونوں بچپن کے دوست تھے۔ بچپن سے ہی ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا تھا۔ انسپکٹر جمشید اس کے بچوں کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"میں نے سنا ہے۔ آپ دونوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے۔" بیگم عرفان بولیں۔

"نہیں۔ جھگڑا تو نہیں۔ بس ناراضی ہو گئی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ایک مدت بعد ملاقات ہوئی۔ اور ساتھ ہی ناراضی۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔"

"یہ بات آپ کو اپنے شوہر سے کہنی چاہیے۔"

"میں جانتی ہوں۔ انھوں نے کیا کیا ہے۔ لیکن یہ بھی کیا کرتے۔ مجبور ہیں۔"

"ہم وہی مجبوری سننے کے لیے رک گئے ہیں۔ ورنہ اس وقت تک جا چکے تھے۔"

"یہ آپ کی بہت مہربانی ہے۔"

عرفان مجید کے چھوٹے چھوٹے بچے سب کو حیرت زدہ انداز میں دیکھنے لگے۔ شاید ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اور پھر عرفان مجید نے کہنا شروع کیا:

"تم اس ملک میں مجھ سے پہلی بار ملنے آئے ہو دوست۔" اس کا لہجہ جذباتی تھا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

"لیکن۔ مجھ سے انسپکٹر جمشید پہلے بھی ملنے آ چکے ہیں۔"

"کیا۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"دیکھا۔ میرے پہلے ہی جملے نے چونکا دیا نا۔ اور جب تم پوری کہانی سن لو گے تو پھر میری ساری زیادتی کو بھول جاؤ گے۔"

"بھئی پہلے وضاحت کرو۔ وعدے بعد میں کرنا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"شاید صرف ایک ماہ پہلے کی بات ہے۔ میرے گھر کے دروازے کی کسی نے گھنٹی بجائی۔ ملازم دروازے پر گیا۔ اور اس نے مجھے اطلاع دی کہ انسپکٹر جمشید آئے ہیں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! میں اس کے منہ سے تمھارا نام سن کر اچھل پڑا اور باہر کی طرف بھاگا۔ وہاں تم کھڑے تھے۔ میں تمھیں اندر لے آیا۔"

"غلط۔ بالکل غلط۔ وہ میں نہیں تھا۔"

"ہاں! لیکن مجھے کس طرح معلوم ہو سکتا تھا۔ وہ چہرہ بالکل تمھارا تھا۔ قدوقامت بھی بالکل تمھارے جتنا تھا۔ پھر بھلا میں یہ کس طرح خیال کر لیتا کہ وہ تم نہیں ہو۔ تمھارے میک اپ میں کوئی اور ہے۔ میں نے اس کی خوب آؤ بھگت کی۔ خوب کھا پی کر اس نے کہا۔

"اب میں آپ کو اپنا اصلی چہرہ دکھانا چاہتا ہوں۔"

"اصلی چہرہ۔ کیا مطلب؟"

"یہ میرا نقلی چہرہ ہے۔ میں انسپکٹر جمشید نہیں ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا!" میں اچھل پڑا۔ اور پھر اس نے میک اپ اتار

دیا۔ میک اپ کے نیچے سے ایک بھولے بھالے آدمی کا
چہرہ نکل آیا۔ اس چہرے کو میں نے پہلے کبھی نہیں
دیکھا تھا۔ صاف ستھرے رنگ کا آدمی تھا۔
"یہ کیا بھئی۔ میں سمجھا نہیں۔" میں نے اس سے کہا۔
"میں دراصل میک اپ کا ماہر ہوں۔"
"لیکن تمھیں یہ کس طرح پتا چلا کہ میں انسپکٹر جمشید کا دوست
ہوں؟" میں نے پوچھا۔
"ہر قسم کی معلومات حاصل کرنا میرا مشغلہ ہے۔ اور
اسی سلسلے میں میں انسپکٹر جمشید کے ملک جانا چاہتا ہوں، لیکن
میری وہاں کسی سے بھی واقفیت نہیں۔ اس لیے میں چاہتا
ہوں۔ آپ میری انسپکٹر جمشید سے سفارش کر دیں۔ میں ان
کے ہاں صرف تین دن ٹھہروں گا۔"
میں اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ بھلا میں کس
طرح تمھیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس کی باتوں نے مجھے بہت
متاثر کر ڈالا اور آخر میں اسے سفارشی رقعہ دینے پر رضامند
ہو گیا۔ وہ کچھ دن بعد رقعہ لینے کے لیے آنے کا کہ کر چلا
گیا۔ اور میں سوچتا ہی رہ گیا کہ یہ سب کیا ہے۔ آخر
چند دن پہلے وہ آیا اور مجھے آپ کو فون کرنے کو کہا۔ رقعہ
نہیں مانگا۔ میں نے آپ کو فون کر دیا۔ پھر ادھر سے

تمھارا فون ملا۔ تو فون پر میں نے یہی کہنا مناسب خیال
کیا کہ مسٹر موناکا سے میری دوستی ہے۔ یہ ہے کل کہانی۔
اب تم یہاں آئے۔ تو اچانک مجھے خیال آیا کہ کہیں یہ بھی
تم نہ ہو۔ بلکہ موناکا ہو۔ اس لیے میں نے تمھارا امتحان کر
لینا مناسب خیال کیا۔" یہاں تک کہ کر عرفان مجید خاموش ہو گیا۔
"لیکن بھئی۔ یہ اس قسم کا کمرہ تمھاری کوٹھی میں کیوں
ہے۔ کیا یہ تم نے صرف ہمارا امتحان لینے کے لیے بنوایا
ہے۔ اور تمھیں یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں یہاں آؤں گا۔"
"مجھے تمھارے آنے یا نہ آنے کے بارے میں معلوم نہیں
تھا۔ لیکن یہ خیال ضرور تھا کہ موناکا پھر بھی تو یہاں آ
سکتا ہے۔ یہ کمرہ میں نے خاص طور پر اس کے لیے بنوایا
تھا۔"
"چلو۔ یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی۔ لیکن موناکا تو تمھارے
ملک کا بہت بدنام اور بہت مشہور آدمی ہے۔ پھر تم نے
اسے کس طرح میرا مہمان بنا کر بھیج دیا۔" انسپکٹر جمشید نے
الجھن کے عالم میں کہا۔
عرفان مجید نے ان کی طرف نظر بھر کر دیکھا۔ کمرے
میں چند سیکنڈ تک موت کا سناٹا طاری ہو گیا۔ آخر
عرفان مجید نے کہا:

'مجھے ڈر تھا کہ تم یہ سوال کرو گے۔'

"حالاں کہ تمھیں تو یقین ہونا چاہیے تھا۔" انسپکٹر جمشید نے مُسکرا کر کہا۔

"میں بتاتا ہوں۔ مونا کا ہمارے مُلک کا ہوّا ہے۔ پولیس والے اس سے لرزتے ہیں۔ عام لوگ کانپتے ہیں اور اس کا نام سُن کر لوگوں کی جان پر بن جاتی ہے۔ جب وُہ میرے گھر انسپکٹر جمشید کے رُوپ میں آیا اور پھر اس نے بتایا کہ دراصل وُہ انسپکٹر جمشید نہیں ہے۔ تو میں نے پُوچھا۔ پھر تم کون ہو؟ اس نے جواب میں کہا۔

'میں مونا کا ہوں۔'

یہ سُن کر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ رنگ اُڑ گیا۔ پھر اُس نے کہا:

'اگر تم چاہتے ہو۔ تُمھیں اور تُمھارے بیوی بچّوں اور اس محل کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ تو اپنے دوست انسپکٹر جمشید کو فون کر دو۔ اور خبردار اسے صرف یہ کہنا ہے کہ میں تمھارا دوست ہوں۔'

'میں اس کی بات ماننے پر مجبور ہو گیا۔ پہلے اس نے رقعہ دینے کے لیے مجھے کہا، پھر خود ہی رقعے کی بجائے فون کرنے کو کہا۔ مجھے فون کرنا پڑا۔ لیکن میں نے دل

میں ٹھان لی کہ اس شخص کو مزا چکھا کر رہوں گا۔ اور اسے مزا چکھانے کا میں نے یہ انتظام کیا۔ ماہرین سے یہ کمرہ اور گرم ہوا کا نظام یہاں تیار کروایا۔ لیکن افسوس۔ اس کی زد میں ابھی وُہ نہیں۔ تم آ گئے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اطلاع دیے بغیر بھی آ سکتے ہو۔"

"ہاں عرفان مجید۔ میں واقعی آنے سے پہلے اطلاع نہیں دے سکا۔ لیکن میں اطلاع دینے کی پوزیشن میں تھا ہی نہیں۔ تو دیتا کیسے۔"

"کیا مطلب؟" عرفان مجید چونکا۔

اب انسپکٹر جمشید نے اسے اپنی کہانی سنائی۔ کہ کس طرح مونا کا نے انھیں سمندر میں پھینک دیا تھا۔

"اوہ۔ یہ تو اور بھی خوف ناک کہانی ہے۔" عرفان مجید کانپ گیا۔

"ہاں! لیکن اب تمھیں اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں یہاں آ گیا ہوں، اس سے سمجھ لوں گا۔"

"سوال یہ ہے کہ اسے تمھارے ہاں جا کر مہمان ٹھہرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس کا کام صرف یہ ہے کہ انتہائی قیمتی راز چراتا ہے، اور حکومتوں کو بیچ دیتا ہے۔ اس نے میرے کمرے سے

ہماری حکومت کے کچھ بہت اہم کاغذات کی مائیکرو فلم بنائی ہے — اور اب اس فلم کا وہ وشاس، انشارجہ، بنگال، شارجستان سے سودا کرے گا — شاید ہماری حکومت سے بھی بات چیت کرے۔"

"ہوں — انتہائی خوف ناک — اور تم اس کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے۔" عرفان مجید نے کہا۔

"میں اور کر ہی کیا سکتا تھا۔"

"تو کیا وہ یہاں پہنچ چکا ہے۔"

"میرا اندازہ تو یہی ہے۔"

"لیکن جمشید — موناکا کو تو یہاں کی پوری حکومت اب تک گرفتار نہیں کر سکی — تم — کیا کر لو گے۔"

"میں نے یہ کبھی سوچا نہیں کہ میں کیا کر لوں گا — لیکن میں کوشش ضرور کرنے کا عادی ہوں۔" انھوں نے جواب دیا — پھر وہ چونک کر بولے:

"اچھا بھئی — اب میں تمھاری کہانی سن چکا ہوں — اجازت دو۔"

"کک — کیا مطلب — اجازت دوں — یہ کیا بات ہوئی — کیا تم اب بھی یہی کہتے ہو کہ میں نے تم لوگوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔" عرفان مجید نے چونک کر کہا۔

"ہاں بھئی — یہ زیادتی ہی کہلائے گی — امتحان کا ایک یہی طریقہ نہیں تھا۔"

"لیکن جمشید — میں موناکا سے خوف زدہ تھا۔"

"کچھ بھی تھا — میرے ساتھ میرے بچے بھی تھے — دو اور ساتھی بھی تھے — تم صرف میرا امتحان لینے کا حق رکھتے تھے — ان پر ظلم کرنے کا تمھیں کوئی حق نہیں تھا — لہٰذا یہ ملاقات ہماری دوستی کی آخری ملاقات ہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا —

"یہ — یہ تم کیا کہہ رہے ہو جمشید!" عرفان مجید ہکا بکا رہ گیا —

"میرے فیصلے اٹل ہوتے ہیں — جلتے کمرے میں یہ فیصلہ کر چکا تھا؛ تاہم کہانی سننے کے بعد میں نے تم سے انتقام لینے کا ارادہ ختم کر دیا ہے۔"

"میں ایک بار پھر معافی —" عرفان مجید نے کہنا چاہا۔

"اس کی ضرورت نہیں — آؤ بھئی چلیں۔"

عرفان مجید کی آنکھیں کھلی رہ گئیں — اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا اور وہ اس کے گھر سے نکل آئے۔ جیپ میں بیٹھتے ہوئے انھوں نے ڈرائیور سے کہا:

"مسٹر رامل کو — ہمیں کسی اچھے سے ہوٹل لے چلیے۔"

"آپ نے کیا فرمایا۔ کہاں لے چلوں؟" وہ چونک کر بولا۔

"اچھے سے ہوٹل۔"

"لیکن کیوں۔ آپ کو ہوٹل میں ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے، کیا آپ یہاں اپنے دوست کے ہاں نہیں ٹھہریں گے؟"

"نہیں بھئی۔ میں اس دوست کی دوستی کو آخری سلام کر آیا ہوں۔"

"تب بھی آپ کو ہوٹل میں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا محکمہ آپ کی رہائش کا بہترین انتظام کر دے گا۔" رامل کو بولا۔

"نہیں بھئی۔ میں ہوٹل کی رہائش بہتر خیال کرتا ہوں۔ اس طرح میں دوسروں کو تکلیف نہیں دوں گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے کندھے اُچکائے۔

جیپ چل پڑی اور پھر ایک عالی شان ہوٹل کے سامنے رُکی، انھوں نے پڑھا۔ ہوٹل کا نام۔ الباشا تھا۔ رامل کو نے جیپ سے اُترتے ہوئے کہا،

"یہ یہاں کا بہترین ہوٹل ہے، لیکن مہنگا بہت ہے۔"

"کوئی پروا نہیں۔ ہاں ایک بات اور۔ مونا کا کسی ہوٹل سے کوئی تعلق کبھی ثابت ہوا؟"

"جی نہیں۔ وہ ہوٹلوں سے دور ہی رہتا ہے۔"

"خیر۔ اصل مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ اس سے کہاں ملاقات

ہو سکتی ہے۔ ارے ہاں۔ میں نے ترکیب سوچ لی۔ ہمیں ترکیب نمبر گیارہ پر عمل کرنا پڑے گا۔" انسپکٹر جمشید نے چہک کر کہا۔

"جی۔ ترکیب نمبر گیارہ یا تیرہ؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"تیرہ پر عمل تم کیا کرتے ہو۔" وہ مسکرائے۔

"میں سمجھا نہیں جناب۔ آپ کا اشارہ کس ترکیب کی طرف ہے؟"

"یہاں شام کو کوئی اخبار آتا ہے؟"

"جی ہاں، تین اخبار شام کو بھی نکلتے ہیں۔"

"ہوں! ان تینوں میں ایک اشتہار پہلے صفحے پر نمایاں حروف میں شائع کروا دیں۔"

"ہو جائے گا۔ آپ مضمون بنا دیں۔"

"پہلے ہم ہوٹل میں دو کمرے حاصل کر لیں۔ میرا خیال ہے۔ دو کمرے کافی رہیں گے۔ مسٹر رامل کو۔ آپ کو بھی ہمارے ساتھ رہنا پڑے گا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ دو بڑے کمرے لے لیں۔ لیکن کرایہ۔"

"اوہو۔ بھئی۔ میں اتنا غریب نہیں ہوں۔"

"لیکن جناب۔ آپ صرف ایک انسپکٹر ہیں۔ اور میں نے سنا ہے۔ آپ رشوت سے دور بھاگتے ہیں۔" رامل کو نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔ رشوت بہت بڑی لعنت

ہے لیکن مَیں کوئی غریب آدمی نہیں ہُوں۔ اللہ نے مُجھ پر بہت عنایات کی ہیں۔ میرے باپ دادا کی مالی جائداد مُجھے ملی ہے۔ اور اب تو ایک اور جائداد بھی مل گئی ہے۔ میں کن باتوں میں اُلجھ گیا۔ آیئے چلیں"۔

وُہ ہوٹل کے دروازے پر پہنچے۔ بیروں نے لپک کر جیپ سے ان کا سامان نکالنا چاہا۔

"نہیں بھئی۔ ہمارے پاس کوئی سامان نہیں ہے، بے سروسامانی کی حالت میں ہیں۔ سکون کا سانس لے لیں تو سامان خرید لیں گے"۔

انھوں نے دو کمرے کرائے پر لیے۔ ان کا بٹوہ سمندر میں گرائے جانے کے باوجود ان کی جیب میں ہی رہا تھا۔ اس لیے نقدی کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اور اس ہوٹل میں غیر ملکی کرنسی دی جا سکتی تھی۔ انھیں کمرہ نمبر ۶۰، ۶۱ دیے گئے۔ وُہ اپنے کمروں میں آ کر بیٹھ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے اشتہار کا مضمون لکھ دیا۔ رامل کو نے فون کے ذریعے اشتہار تینوں اخبارات کو نوٹ کروا دیا۔۔ اور اپنا نام بھی۔

شام تک وُہ آرام کرتے رہے۔ آخر اخبارات آ گئے۔
۔۔۔ نے اشتہار دیکھا۔ اس کے الفاظ تھے:

۔۔۔ٹر مونا کا!

مَیں تمھارا تعاقب کرتے ہوئے تمھارے مُلک پہنچ چکا ہُوں۔ اور ہوٹل ابا شا کے کمرہ نمبر ۶۰ اور ۶۱ میں ٹھہرا ہوا ہُوں۔ اُمید ہے۔ آپ فوری طور پر رابطہ قائم کریں گے۔ مَیں اب بھی اپنے کاغذات کی مائیکرو فلم واپس لینے کا خواہش مند ہُوں۔

انسپکٹر جمشید!"

اور اس اشتہار کی اشاعت کے ٹھیک ایک گھنٹے بعد ۔۔ون کی گھنٹی بجی۔

لکھ لو

"ہیلو۔ انسپکٹر جمشید پلیز۔ کوئی صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" کاؤنٹر سے کہا گیا۔

"اچھا۔ بات کر رہا ہوں۔" وہ بولے۔

"ہیلو انسپکٹر صاحب۔ آپ میری آواز سن رہے ہیں۔"

"بالکل۔" وہ بولے۔

"کیا خیال ہے۔ میں اصلی ہوں یا ؟"

"اصلی ہی معلوم ہوتے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن آپ زندہ کس طرح بچ گئے۔ سمندر میں بچنے کا تو کوئی امکان نہیں تھا۔" موناکا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ میرے اللہ کی مرضی تھی۔" انھوں نے کہا۔

"خیر۔ اب آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"مائیکرو فلم۔"

"ٹھیک ہے۔ میں بات کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اس

وقت تک میں انشارجہ، ونتاس، بیگال اور شارجستان سے بات کر چکا ہوں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ چاروں حکومتیں آپ کے کاغذات کی مائیکرو فلم خریدنے کی خواہش مند ہیں، بلکہ بے چین ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قیمت لگا رہی ہیں۔"

"اوہو۔ تب تو مقابلہ ہو رہا ہوگا۔"

"ہاں! جو زیادہ رقم دے گا۔ میں فلم اس کے حوالے کر دوں گا۔ اگر آپ بھی اس مقابلے میں حصّہ لینا چاہتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن آپ کے پاس یہاں رقم کہاں۔"

"رقم کی گارنٹی یہاں کا سب سے بڑا بنک دے گا۔"

"نہیں۔ رقم تو میرے اکاؤنٹ میں جمع کرانا ہوگی۔"

"یہ بھی ہو جائے گا۔ پہلے سودے کی بات تو ہو جائے۔"

"اس وقت رقم کے معاملے میں انشارجہ سب سے آگے ہے۔"

"حیرت ہے۔ میرا خیال تھا۔ ونتاس سب سے آگے ہو گا۔ ویسے ہمارے ملک میں تو تم نے کہا تھا کہ بیگال سب سے زیادہ یعنی تین کروڑ دے رہا ہے۔"

"اس وقت تو میں نے یہ بات بس اپنی طرف سے کر دی

تھی - ویسے بیگال اور انشارجہ کی تو ایک ہی بات ہے - بیگال نے خریدا - تو یہ خریدنا انشارجہ کا ہی ہو گا - اور اگر انشارجہ نے خریدا - تو بیگال کا خریدنا خیال کیا جا سکتا ہے۔"

"تو تم ان باتوں کو بھی سمجھتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے تعریفی لہجے میں کہا -

"جی ہاں ! میرا پیشہ ہی ایسا ہے۔"

"لیکن بھئی - تم اپنے گاہکوں کو موت کے حوالے کر دیتے ہو ؟"

"آپ اپنے ملک میں صرف میرا وقت ضائع کرنے کے چکر میں تھے - یہاں آپ میرا وقت برباد نہیں کر سکتے - ہاں ! میں ضرور آپ کا وقت برباد کر سکتا ہوں۔"

"ہمیں ایک دوسرے کا وقت برباد کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے - معاملے کی بات کرو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا -

"انشارجہ چار کروڑ ڈالر تک پہنچ چکا ہے۔"

"تو پھر میری طرف سے ساڑھے چار کروڑ ڈالر نوٹ کر لو۔" انھوں نے کہا -

"بہت خوب - انسپکٹر جمشید میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اتنی رقم لگا سکتے ہیں - مہربانی فرما کر پہلے بنک سے گارنٹی دلوا دیں۔"

"آدھ گھنٹے کے بعد۔" انھوں نے کہا -

"اچھی بات ہے - میں آدھ گھنٹے بعد پھر فون کروں گا۔" اس نے کہا -

اب انھوں نے خان رحمان سے سلسلہ ملایا - انھیں یقین تھا وہ ان کے گھر میں ہی ہوں گے - جلد ہی بیگم جمشید کی آواز سنائی دی :

"اوہو - یہ آپ ہیں - ہم سب تو یہاں بہت پریشان ہیں - آپ لوگوں کا کوئی سراغ نہیں لگ سکا۔"

"فکر کی ضرورت نہیں - ہم اس وقت افریقہ کی ایک ریاست میں ہیں۔"

"ہائیں - آپ افریقہ میں ہیں اور ہم آپ کو یہاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکے ہیں - سب لوگوں کا برا حال ہے۔"

"اب سب کو اطلاع دے دو اور فون کا ریسیور خان رحمان کو دو۔"

"اچھی بات ہے۔" انھوں نے کہا -

چند سیکنڈ بعد خان رحمان کی آواز سنائی دی :

"جمشید - میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمھاری آواز سن سکوں گا - ہم نے خیال کر لیا تھا کہ تم لوگ ضرور کسی حادثے کا شکار ہو چکے ہو۔"

"ہاں بھئی۔ شکار تو واقعی ہو گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ مجھے یہاں رقم کی ضرورت ہے۔ اسی مائیکرو فلم کا چکر ہے۔ قریباً دس کروڑ ڈالر۔"

"اچھا۔ میں بنک کے مینجر کو فون کرتا ہوں۔ تم اپنا فون نمبر نوٹ کروا دو۔"

انھوں نے ہوٹل اباشا کا نمبر لکھوا دیا۔ آدھ گھنٹے بعد پھر فون کی گھنٹی بجی اور خان رحمان کی آواز سنائی دی:

"رقم کے لیے بنک کے مینجر خود تم سے فون پر بات کریں گے۔"

"اچھا خان رحمان۔ شکریہ۔"

"واپسی کا کب تک خیال ہے۔ ہم سب یہاں بے چین ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

فوراً ہی فون کی گھنٹی بجی۔ انھوں نے ریسیور اٹھایا تو ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی:

"ہیلو! انسپکٹر جمشید صاحب؟"

"جی ہاں! بول رہا ہوں۔"

"آپ کو جس وقت جتنی رقم کی ضرورت ہو۔ صرف مجھے

فون کر دیجیے گا۔ رقم آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔"

"بہت بہتر جناب۔ شکریہ۔ آپ کا فون نمبر؟"

بنک مینجر نے فون نمبر لکھوا دیا۔ ابھی انھوں نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی۔ اور مونا کا کی آواز سنائی دی:

"ہیلو انسپکٹر جمشید۔ انتظام ہو گیا یا نہیں؟"

"بالکل ہو گیا ہے۔"

"انشارجہ اب پانچ کروڑ ڈالر لگا چکا ہے۔"

"میری طرف سے ساڑھے پانچ کروڑ۔"

"گارنٹی۔"

"بنک مینجر کا فون نمبر لکھ لو۔ فون کر کے ان سے معلوم کر لو۔ کہ میں ادائیگی کر سکتا ہوں یا نہیں۔ لیکن پہلے تم یہ بتاؤ کہ ان سے کس نام سے بات کرو گے۔"

"مونا کا کے نام سے۔" اس نے کہا۔

"اوہ اچھا۔"

انسپکٹر جمشید نے مینجر کو فون کیا اور بولے:

"مسٹر مونا کا آپ سے تصدیق چاہتے ہیں۔ کہ میں انھیں رقم ادا کر سکتا ہوں یا نہیں۔ آپ تصدیق کرنے کے لیے تیار رہیں۔ وہ ابھی فون کریں گے۔"

" اچھی بات ہے۔"

اور وہ انتظار کرنے لگے۔ آخر پھر مونا کا کا فون ملا:

" ہیلو انسپکٹر۔ تصدیق ہو گئی ہے۔ اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ فلم آپ کے ہی حوالے کر دوں، کیوں کہ انشارجہ کے علاوہ تو اب اور کوئی میدان میں نہیں رہا آپ کے مقابلے پر۔ اس وقت آپ کی رقم زیادہ ہے۔"

" تو پھر ٹھیک ہے۔ معاملہ طے کر لو۔"

" آپ سفید پہاڑیوں پر آ جائیں۔ معاملے کی بات آمنے سامنے ہو گی۔ اگر کسی کو ساتھ لانے کی کوشش کی تو انجام کے آپ خود ذمّے دار ہوں گے۔ پولیس میں اتنی ہمت نہیں کہ میرا نام سن کر سفید پہاڑیوں کا رُخ کرے۔"

" اچھی بات ہے۔ میں اپنے بچّوں کے ساتھ آؤں گا، فکر نہ کرو۔" انھوں نے کہا۔ دُوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

اب انسپکٹر جمشید راہل کو کی طرف مُڑے:

" مسٹر راہل کو۔ مونا کا نے مجھے سفید پہاڑیوں پر بلایا ہے۔ تاکہ معاملہ طے کر سکے۔ یہ سفید پہاڑیاں کس طرف ہیں؟"

جواب میں راہل کو نے ایک لمبا سانس کھینچا، لیکن

مُنہ سے کچھ نہ بولا۔

" آپ نے جواب نہیں دیا؟"

" کیا جواب دوں۔ سفید پہاڑیاں کئی کلو میٹروں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں جگہ جگہ غار ہیں۔ غار بھی ایسے کہ انسان ایک بار ان میں پھنس جائے تو پھر نکل نہیں سکتا۔ غار در غار پھنس جاتا ہے۔ ایک شخص اگر ان پہاڑیوں میں کہیں چھپ جائے تو ہمارے مُلک کی پوری پولیس اور فوج مل کر بھی اس کو تلاش نہیں کر سکتی۔ بم باری کر کے اسے ہلاک نہیں کر سکتی۔ کیوں کہ ایک آدمی کے لیے وہ آخر کتنے بم برسائے گی۔ کتنی پہاڑیاں تباہ کرے گی۔ جب کہ یہ پہاڑیاں ہمارے لیے دُشمن مُلک سے بچاؤ کے کام آتی ہیں۔ ایک فصیل کا کام دیتی ہیں۔ قدرتی فصیل۔"

" مسٹر راہل کو۔ آپ تو بہت خوف ناک باتیں بتا رہے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

" اس میں میرا کیا قصور۔ موناکا کوئی عام مُجرم تو نہیں ہے۔ اس نے سوچ سمجھ کر ہی سفید پہاڑیوں کا انتخاب کیا ہے۔"

" خیر۔ کچھ بھی ہو۔ ہم وہاں ضرور جائیں گے۔"

" اور بچ کر نہیں آ سکیں گے۔" اس نے کہا۔

"کیوں بھئی۔ یہ کیا بات ہوئی۔ ہم وہاں لڑنے نہیں سودا طے کرنے جا رہے ہیں۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔ ضرور جائیے۔ لیکن آپ نے تو ہمارے دفتر میں دعویٰ کیا تھا کہ موناکا کو قانون کے حوالے کر دیں گے۔"

"اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا۔ خیر۔ فکر نہ کریں۔"

"اسی لیے میں نے کہا تھا کہ بچ کر نہیں آئیں گے۔" راحل کو مسکرایا۔

"ہم مایوسی کی باتیں کرنے کے عادی نہیں۔ اور نہ سننے کے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"خیر۔ آپ وہاں ضرور جائیں۔ اگر آپ لوگ واپس نہ آ سکے تو آپ کے ملک کو خبر کر دی جائے گی۔"

"شکریہ۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا، پھر انھوں نے کچھ سوچ کر کہا:

"اوہ ہاں! مجھے ایک نقشے کی ضرورت ہے۔ تاکہ میں سفید پہاڑیوں کے گرد و نواح کا جائزہ یہیں بیٹھ کر لے لوں۔"

"ہوٹل والے آپ کو نقشہ مہیا کریں گے، فون کر دیں۔" اس نے کہا۔

نقشے کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد وہ راحل کو کی جیپ میں روانہ ہو گئے، راحل کو اور نمبر ۱۲ کو وہیں چھوڑ دیا گیا۔

سفید پہاڑیاں انھیں دور سے ہی نظر آنے لگ گئیں، وہ بڑھتے چلے گئے۔ ایسے میں فاروق نے کہا:

"کئی کلو میٹر لمبے سلسلے میں ہم موناکا کو کس طرح تلاش کریں گے؟"

"ہمیں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ موناکا کسی ایسی جگہ موجود ہو گا۔ جہاں سے وہ ہمیں آتے ہوئے دیکھ لے گا۔ اور پھر وہ خود ہی ہم تک پہنچ جائے گا۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان۔ ہمیں پہاڑیوں پر بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ اسے تو رقم بذریعہ بنک وصول کرنا تھی۔ اپنے بنک کے ذریعے وہ ہمیں مائیکرو فلم دے سکتا تھا۔" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"بہت اچھا سوال ہے۔ اور یہ میرے ذہن میں ہوٹل کے کمرے میں ہی پیدا ہو گیا تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"پھر۔ آپ کے ذہن میں اس کی کیا وجہ آئی تھی؟"

"بھئی۔ وجہ ذرا خوف ناک قسم کی ہے۔ اس لیے نہ ہی پوچھو۔" انھوں نے کہا۔

"کیا آپ کا خیال ہے۔ ہم ڈر جائیں گے۔" محمود بولا۔

"نہیں خیر۔ تم ڈرو گے تو نہیں۔ فکر مند ضرور ہو جاؤ گے۔" انھوں نے کہا۔

"تو پھر مہربانی فرما کر ہمیں فکر مند کر ہی دیں۔"

"تم کچھ دیر انتظار نہیں کر لیتے۔" وہ بولے۔

"اگر آپ کی خواہش یہ ہے تو یوں ہی سہی۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

آخر وہ پہاڑیوں کے دامن میں پہنچ گئے۔ اب انھیں جیپ سے اترنا پڑا۔ دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید شہر کے لوگ اس طرف کا رخ نہیں کرتے تھے۔ یوں بھی یہ بالکل بنجر پہاڑیاں تھیں۔

انھوں نے دور دور تک نظریں دوڑائیں، مگر موناکا کا کہیں نام و نشان نظر نہ آیا۔

"آپ تو کہہ رہے تھے۔ کہ وہ خود ہم تک پہنچ جائے گا۔" محمود نے کہا۔

"ہاں۔ ضرور پہنچے گا۔ فکر نہ کرو۔ آؤ ہم اور آگے بڑھیں۔"

کئی منٹ تک اوپر کی طرف چلتے رہنے کے بعد وہ ایک اونچی پہاڑی پر پہنچے۔ انسپکٹر جمشید نے دونوں ہاتھ منہ

کے گرد رکھ کر آواز لگائی:

"موناکا۔ تم کہاں ہو۔ ہم آگئے ہیں۔"

اب بھی موناکا کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ وہ کچھ اور آگے بڑھے، پھر انسپکٹر جمشید رک گئے:

"مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے موناکا کہیں چھپا ہوا ہمیں دیکھ رہا ہے۔"

"شاید وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم اپنے ساتھ کوئی فوج تو نہیں لائے۔"

"ہوں! ہو سکتا ہے۔ لیکن اب تک تو اسے یہ اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ ہم کسی کو بھی ساتھ نہیں لائے۔"

"شاید وہ بہت زیادہ محتاط ہے۔ اور مزید اطمینان کر لینا چاہتا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ کر لینے دو اس کو اطمینان۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

کافی دیر تک وہ ادھر ادھر بھٹکتے رہے۔ آخر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے:

"شاید اس نے ہم سے مذاق کیا ہے۔" فاروق بولا۔

"اگر یہ مذاق ہے تو بھی وہ اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے یہاں آیا ہوگا۔" محمود نے کہا۔

"لیکن وہ کہیں چھپ کر لطف اندوز ہو رہا ہو گا۔ اور ہم اس کو تلاش نہیں کر سکتے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اور ہم تلاش کر بھی نہیں رہے۔ بیٹھے ہوئے اس کا انتظار ضرور کر رہے ہیں۔"

"ایک بات لکھ لو۔" انسپکٹر جمشید نے شوخ آواز میں کہا۔

"ابّا جان! ایک کیا ہم تو آپ کی ہر بات لکھنے کے لیے تیار ہیں۔ بس آپ حکم فرمائیں۔" فاروق مسکرایا۔

"نہیں۔ کوئی بات بھی لکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو محاورۃً کہا تھا۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"تو ہم بھی محاورۃً ہی لکھیں گے۔ نہ کہ قلم کاغذ سے۔" فاروق نے کہا۔

"اوہ۔ تب تو ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ بولے۔

"ہاں تو آپ کیا بات لکھوا رہے تھے۔"

"موناکا جو نظر آتا ہے۔ وہ ہے نہیں۔"

"جی کیا مطلب۔ وہ کیا نظر آتا ہے۔ پہلے تو یہ بتائیں۔"

"وہ ایک ایسا آدمی نظر آتا ہے۔ جو ملکوں کے راز حاصل کرتا ہے۔ اور دوسرے ملکوں کو فروخت کر دیتا ہے۔"

"تو پھر۔ کیا ایسی بات نہیں ہے۔"

"ہو گی۔ لیکن مجھے ایسا محسوس نہیں ہوتا۔"

"تب پھر۔ وہ کیا ہے؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہی تو ہمیں دیکھنا ہے۔ وہ کیا ہے۔"

"میں بتائے دیتا ہوں انسپکٹر۔"

ان کے کانوں میں موناکا کی آواز آئی۔۔۔

پھر پیکٹ

وہ چونک کر مُڑے۔ موناکا ان کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا، اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا:

"تو تم آگئے مسٹر موناکا۔"

"مَیں تو یہاں بہت دیر سے مَوجود ہُوں۔ آگیا کا کیا مطلب۔"

"اور تم نے ہماری گفت گُو بھی سُنی ہے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"بالکل سنی ہے۔ اب مَیں کان بند تو نہیں کر سکتا تھا۔"

"تو پھر بتاؤ۔ تم کیا ہو۔"

"مَیں چلتا پُرزہ ہُوں۔" اس نے کہا۔

"اپنے منہ سے اپنی تعریف بہت اچھی کی تم نے۔ میرا اندازہ ہے کہ تمھارے اس کاروبار کے پیچھے کوئی گہرا راز موجود ہے۔"

"پتا نہیں۔ آپ اپنے معاملے کی بات کریں۔"

"ٹھیک ہے۔ مَیں رقم کا بندوبست تو کر ہی چکا ہُوں۔ اب صرف معاملہ طے کرنا ہے۔"

"میرے اکاؤنٹ میں رقم جمع کروا دیں۔ مَیں آپ کے بنگلے میں وُہ مائیکرو فلم بھیج دوں گا۔ آپ وہاں سے لے لیجیے گا۔" موناکا نے کہا۔

"بس اتنی سی بات۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"کیوں۔ کیا ہوا۔" موناکا مُسکرایا۔

"اتنی سی بات بتانے کے لیے یہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ بات تو فون پر بھی کہی جا سکتی تھی۔"

"فون پر مُلاقات تو نہیں ہوتی نا۔ مَیں آپ لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرنا چاہتا تھا کہ آپ واقعی زندہ ہیں، آپ کے رُوپ میں کوئی دُوسرا نہیں ہے۔"

"اوہ۔ تو یہ بات تھی۔"

"ہاں! آپ لوگوں کے سمندر سے بچ نکلنے پر مجھے حیرت ہے۔ مَیں نے تو خیال کر لیا تھا کہ بس آپ لوگ اب اس دُنیا میں کسی کو نظر نہیں آئیں گے۔ لیکن کسی کی بجائے تو مجھے ہی نظر آ گئے۔"

"ہم اسے اللہ کی مہربانی کہتے ہیں۔" فارُوق مُسکرایا۔

"خیر تو معاملہ طے رہا۔"

"ہاں! لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تم نے اس فلم کی نقل تیار کر کے اپنے پاس نہیں رکھ لی ہو گی۔"

"انسپکٹر جمشید۔ ادھر دیکھیں۔" اچانک اس کے لہجے میں بلا کی سختی محسوس ہوئی۔

"ہائیں۔ مسٹر موناکا۔ تمھاری آواز کو کیا ہو گیا۔ اسے غصّہ تو نہیں آ گیا۔" فرزانہ بولی۔

"آواز کو غصّہ۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"میں نے کہا ہے، ادھر دیکھیے۔"

"ادھر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔ ہم ضرور دیکھیں گے۔" فاروق بولا۔

چاروں نے اس طرف دیکھا۔ جس طرف موناکا نے اشارہ کیا تھا۔ ایک پہاڑی پر سیاہ لباس والا ایک شخص کھڑا نظر آیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر دستانے تھے۔ ان دونوں ہاتھوں میں ایک عجیب وضع کی رائفل تھی۔ اور اس رائفل کی نال ان کی طرف اُٹھی ہوئی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

"آپ لوگوں کا کھیل ختم ہو گیا۔ میں جو چاہتا تھا۔ وہ ہو گیا۔"

"اور تم کیا چاہتے تھے مسٹر موناکا۔ کیا ہم سے سودا نہیں کرنا چاہتے تھے۔"

"نہیں۔ وہ فلم میں تم لوگوں کو واپس کر کے کیا کروں گا۔" اس نے کہا۔

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ اس فلم کی حقیقت تم پر کُھل گئی ہے۔ تم جان گئے ہو کہ وہ فلم دراصل کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ ان کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"چلو یُوں ہی سہی۔ اس وقت اس رائفل کی زد میں آپ چاروں ہیں۔ صرف ایک بار ٹریگر دبانے کی ضرورت ہے۔ اس میں سے اَن گنت گولیاں نکل کر تم لوگوں کے جسم چھلنی کر دیں گی۔ میرا پروگرام بھی یہی تھا۔ لیکن پھر اس سے بھی دل چسپ پروگرام بن گیا۔"

"دل چسپ پروگرام۔ کیا مطلب؟" محمود نے حیران ہو کر پُوچھا۔

"تمھارے گھر سے حاصل کردہ فلم کے سودے کی بات انشارجہ اور بیگال وغیرہ سے کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں میں نے تم لوگوں کے بارے میں بھی بتا دیا۔ کہ تم اس فلم کے چکر میں میرا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ چکے ہو۔ جانتے ہو۔ حکومت بیگال نے کیا کہا۔" یہاں تک کہہ کر موناکا خاموش ہو گیا۔

"ہاں ! جانتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا۔
"کیا کہا۔ جانتے ہیں۔" موناکا نے حیران ہو کر کہا۔
"ہاں ! بالکل جانتا ہوں۔" وہ مسکرائے۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے ابا جان۔ آپ کس طرح وہ بات جان سکتے ہیں۔ جو بیگال کی حکومت نے مسٹر موناکا سے کی ہے۔"

"اپنے اندازے کی بنا پر۔" وہ بولے۔
"میں آپ کا اندازہ ضرور سنوں گا۔ انسپکٹر جمشید۔"
"ضرور سنو۔ بیگال کی حکومت نے تم سے کہا ہے کہ مائیکرو فلم پر ڈالو خاک۔ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں، ہم لوگوں کو ان کے حوالے کر دو اور منہ مانگی قیمت لے لو۔"
"اوہ۔ کمال ہے۔ انسپکٹر جمشید۔ شاید آپ اندازے لگانے میں بہت ماہر ہیں۔"
"آپ نے بھی یہ اندازہ بالکل ٹھیک لگایا۔" فاروق نے فوراً کہا۔
"بالکل یہی بات ہے۔ بیگال کی حکومت چاہتی ہے۔ آپ لوگوں کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔"
"تو پھر ؟"

"میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ حوالے کر دوں۔ اس طرح میں بہت بڑے مالی فائدے میں رہوں گا۔"
"ہوں ! تو سودے کی آڑ میں ہمیں یہاں اس لیے بلایا گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔
"بالکل ٹھیک سمجھے۔ اب اس رائفل کا کمال دیکھ لو۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں نے غلط نہیں کہا۔"
یہ کہتے ہی موناکا نے بلند آواز میں کہا:
"راشو ! نمونہ دکھاؤ۔"
راشو نے ٹریگر دبا دیا۔ لیکن اس سے پہلے اس نے نال دوسری طرف کر لی تھی۔ ایک ہولناک دھماکا ہوا اور چٹان کے ہزاروں ٹکڑے فضا میں اُڑتے نظر آئے۔ وہ منہ کے بل گرے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو کتنے ہی ٹکڑے انہیں زخمی کر گئے تھے۔ جب کہ موناکا اسی طرح کھڑا رہا۔ بے شمار ٹکڑے اس کے جسم سے ٹکرائے، لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں اور نہ اس کے جسم سے خون بہتا نظر آیا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ حیرت بھری نظروں سے موناکا کو دیکھا۔
"مسٹر موناکا۔ آپ کے جسم پر ہم بلٹ پروف لباس وغیرہ تو دیکھ نہیں رہے۔ پھر۔" محمود کہتے کہتے رُک گیا۔

"میرے جسم پر جو لباس آپ لوگ اس وقت دیکھ رہے ہیں ۔ وہ بلٹ پروف ہی ہے ۔ سر پر جو ہیٹ ہے ، وہ بھی بلٹ پروف ہے اور اس کی مدد سے آنکھوں اور چہرے کو بھی بچایا جا سکتا ہے ۔ بس سر کو ذرا سا جھکانا پڑتا ہے ۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا ۔

"کیا یہ لباس تم نے خود تیار کروایا ہے ؟"

"ہاں ! بالکل اس پر ایک بڑی رقم خرچ ہوئی ہے ۔"

"خیر ۔ اب تم کیا چاہتے ہو ؟"

"بیگال کے نمایندے یہاں موجود ہیں ۔ میں آپ لوگوں کو ان کے حوالے کر رہا ہوں اور معاوضہ ہیروں کی شکل میں وصول کر رہا ہوں ۔"

"اچھا مسٹر موناکا ۔ زندگی رہی تو ہم تم سے پھر ملاقات کریں گے ۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا ۔

"مشکل ہے ۔ بیگال کی حکومت آپ لوگوں کے خون کی پیاسی ہے ۔ سنا ہے ۔ آپ نے ان کے بڑے بڑے منصوبوں پر پانی پھیر کر رکھ دیا ہے ، لیکن اب انہیں عقل آگئی ہے ۔"

"وہ کیسے ؟"

"اب وہ مجھ سے کام لے رہے ہیں ۔"

"اوہ اچھا ۔ تم سے بھی دو دو ہاتھ ضرور ہوں گے ۔"

"آئیے بھئی ۔ لے جائیے اپنے شکار کو ۔"

موناکا نے بلند آواز میں کہا ۔ انھوں نے پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا ۔ اسی وقت چاروں طرف سے ان گنت مسلح آدمی ان کی طرف بڑھتے نظر آئے ۔ موناکا کا آدمی ان حالات میں بھی پہاڑی کی چوٹی پر چوکس کھڑا رہا ۔

بیگال کے فوجیوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال دیا ، پھر ان پر ایک جال آ گرا ۔ اور وہ اس جال میں اُلجھ کر رہ گئے ۔ پھر جال کی رسی کھینچی جانے لگی ۔ اور وہ گڈمڈ ہو کر گرے ۔ جلد ہی انھیں جال کے ساتھ گھسیٹا جا رہا تھا ، سخت پتھریلی زمین پر ان کے جسم رگڑ پر رگڑ کھا رہے تھے ، وہ گڈمڈ گھسٹتے چلے جا رہے تھے ۔ انھوں نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ رکھے تھے ۔

"شاباش ! کوئی آہ منہ سے نکلنے نہ پائے ۔" انسپکٹر جمشید پکارے ۔

"فکر نہ کریں ابا جان ۔ ہم ان لوگوں کو ہنسنے کا موقع نہیں دیں گے ۔" محمود بولا ۔

"تم موقع دو نہ دو ۔ ہم ہنسے بغیر نہیں رہ سکتے ۔" ان

الفاظ کے ساتھ ہی موناکا نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔ بنگال کے فوجیوں نے اس کا ساتھ دیا اور ان سب کے قہقہے نے پہاڑیوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ پھر وُہ موناکا سے دُور ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کر موناکا ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ان کے جسموں سے اب جگہ جگہ سے خُون رس رہا تھا۔ لیکن اس شدید تکلیف کے عالم میں بھی ابھی تک ان میں سے کسی کے منہ سے چیخ نہیں نکلی تھی۔ اور یہی چیز بنگالیوں کو غصّہ دلا رہی تھی۔ وُہ اور بھی بے دردی سے جال کو کھینچ رہے تھے۔

اچانک ایک جگہ سے جال کی رسی کٹ گئی۔ رگڑ لگنے کی وجہ سے ایسا ہوا تھا، لیکن بنگال کے فوجیوں کو پتا نہ چلا۔ ادھر انسپکٹر جمشید نے جال کو ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ انھوں نے کٹی ہوئی جگہ کا جائزہ لیا۔ وُہ اس جگہ میں سے بآسانی نکل سکتے تھے۔ ادھر بنگال کے فوجی قہقہے لگا رہے تھے۔ انھوں نے رائفلیں اپنے کندھوں پر ڈال لی تھیں۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی:

"جال کٹ گیا ہے۔ اس میں سے نکلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میرے ساتھ مل کر جال کو جھٹکا مارو۔ ہمیں گھسیٹنے والوں کو بھی تو کچھ سزا ملنی چاہیے۔"

انھوں نے غیر محسوس طور پر اس ہدایت کو سُنا اور پھر تیار ہو گئے۔ جال کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اور پھر چاروں نے مل کر ایک زبردست جھٹکا مارا۔ انھیں گھسیٹ کر لے جانے والے فوجی ان پر اُلٹ کر گرے۔ انسپکٹر جمشید نے اپنے اُوپر گرنے والے کو دونوں ہاتھوں پر پوری قوّت سے اُچھال دیا۔ وُہ ہُوا میں اُچھلا اور پھر اس کی ہولناک چیخ گونج اُٹھی۔ وُہ سیکڑوں میٹر نیچے جا رہا تھا۔

بنگالی فوجیوں کے قہقہے حلق میں گھُٹ کر رہ گئے۔ چند سیکنڈ تک ان کی سمجھ میں نہ آسکا کہ کیا ہوا۔ اور اس وقت وُہ جال سے نکل چکے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ بجلی کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے۔ بنگالی بوکھلا گئے۔ ان کی حیرت انھیں لے بیٹھی۔ جب تک وُہ سنبھلتے، انسپکٹر جمشید کئی کا صفایا کر چکے تھے۔ اور ایک کی رائفل چھین چکے تھے۔ رائفل انھوں نے نال کی طرف سے پکڑ کر لاٹھی کی طرح گھمائی اور رائفل کا بٹ فوجیوں کی خبر لینے لگا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ نے گرے ہوتے فوجیوں کی رائفلیں اُٹھا لیں اور خود بھی لاٹھیوں کی طرح انھیں گھمانے لگے۔ رائفلوں سے اس طرح لڑنا شاید بنگالی فوجیوں کے

لیے بالکل نئی بات تھی۔ وہ گڑ بڑا گئے۔ اس جھگڑے میں وہ رائفلیں تو چلا نہیں سکتے تھے۔

جب تک انہیں عقل آئی۔ چاروں مل کر ان کے آدھے سے زیادہ ساتھیوں کا صفایا کر چکے تھے۔ اور پھر وہ اِدھر اُدھر دوڑ کر پوزیشن لینے لگے۔ یہ دیکھ کر انھوں نے بھی ایک سمت میں چھلانگیں لگائیں اور پوزیشن لے لی۔

اب گولیوں کا تبادلہ ہونے لگا۔ پہاڑیاں گولیوں کی آوازوں سے گونجنے لگیں۔ وہ پوزیشن بدلتے رہے۔ گری ہوئی رائفلیں سمیٹتے رہے۔ اور فائر کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ بنگالی کم ہوتے چلے گئے۔ اور پھر بچ جانے والے چند بنگالی بھاگ نکلے۔ لیکن بھلا وہ انھیں کیوں بھاگنے کا موقع دیتے۔ اُٹھ کر انھوں نے ان کے نشانے لیے اور ان کی کمروں میں سوراخ کر دیے۔

اب میدان صاف تھا۔

"آؤ بھئی جلدی کرو۔ شاید موناکا اور اس کے ساتھی ابھی وہیں ہوں۔ لگے ہاتھوں ان سے بھی نبٹ لیں۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا اور پھر وہ تیز تیز قدم اُٹھانے لگے۔ آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے بنگال کے فوجی انہیں لے کر چلے تھے۔

انھوں نے دُور دُور تک کا جائزہ لیا۔ لیکن موناکا اور ان کا کوئی ساتھی وہاں نظر نہ آیا۔ البتہ ایک چیز وہاں ضرور پڑی تھی۔ انسپکٹر جمشید نے جھک کر اسے اُٹھا لیا۔

یہ سگریٹ کا بالکل ویسا ہی پیکٹ تھا۔ جیسا محمود، فاروق اور فرزانہ کو فون بوتھ سے ملا تھا۔

ان کا نام

" پھر وہی پیکٹ ۔" فرزانہ بڑبڑائی ۔

" اس پیکٹ کے بارے میں آپ نے پہلے بھی ہمیں کچھ نہیں بتایا تھا ۔"

" اب بتا ہی دیتا ہوں ۔ اس قسم کا پیکٹ آج سے پندرہ سال پہلے بازار میں ملا کرتا تھا، لیکن پھر کمپنی نے اس کا بنانا بند کر دیا ۔ اور پوری دنیا میں ایک اعلان کیا گیا ۔"

" جی ۔ کیسا اعلان ؟" فرزانہ بولی ۔

" اعلان یہ تھا کہ اس برانڈ کے سگریٹ بالکل نہ پیے جائیں ۔ جہاں کہیں بھی ۔ جتنا بھی سٹاک موجود ہے، اسے واپس کر دیا جائے، تاکہ ضائع کیا جا سکے ۔ یہ سگریٹ ایک خاص علاقے کے تمباکو سے بنائے جاتے تھے ۔ لیکن اب تحقیقات کے بعد معلوم ہوا ہے کہ اس تمباکو میں زہر موجود ہے ۔ یہ زہر انسانی رگ و ریشے میں آہستہ آہستہ

اثر کرتا ہے اور پھر ایک دن یک دم حملہ آور ہوتا ہے، زہر استعمال کرنے والے کا پورا جسم نیلا ہو جاتا ہے اور پھر اس نیلے جسم میں سے پانی رسنے لگتا ہے ۔ یہاں تک کہ تمام گوشت پانی بن کر بہ جاتا ہے ۔ صرف ہڈیاں بچ جاتی ہیں ۔ لیکن یہ ایک مدت تک زہر استعمال کرتے رہنے کے بعد ہوتا ہے ۔ سگریٹ کے ذریعے جو تمباکو پیا جائے گا ۔ اس کا کیا اثر ہو گا ۔ ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا ۔ لیکن چوں کہ زہر کی ہلاکت خیزی ثابت ہو چکی ہے، اس لیے ان تمام سگریٹوں کا تلف کرنا ازحد ضروری ہے ۔ اس اعلان کو ایک ماہ تک بار بار دہرایا جاتا رہے گا اور اس کے باوجود بھی اگر کوئی یہ سگریٹ پیے گا تو اس کی ذمے داری کمپنی پر نہیں ہو گی اور کمپنی پر کسی قسم کا مقدمہ نہیں کیا جا سکے گا ۔

یہ تھا وہ اعلان ۔ اور یہ ہے پیکٹ کا راز ۔ اسی لیے میں اس پیکٹ کو دیکھ کر چونکا تھا ۔ کیوں کہ اس اعلان کے بعد ان سگریٹوں کے پیکٹ دنیا بھر سے اکٹھے کر کے ضائع کر دیے گئے تھے ۔ لیکن پندرہ سال بعد میں نے پھر وہی پیکٹ دیکھا تو حیرت کی انتہا نہ رہی ۔ مزے کی بات یہ کہ بازار میں اس نام کے سگریٹ بالکل نہیں

ملتے ۔ اور پندرہ سال کے دوران یہ پھر کبھی بھی کسی
دکان پر نظر نہیں آئے ۔ سوال یہ ہے کہ موناکا ان سگریٹوں
کو کیوں استعمال کرتا ہے ۔ اور اسے یہ پیکٹ کہاں سے
ملتے ہیں ۔"

"سوال زور دار ہے ۔ لیکن اس کا جواب ہمیں معلوم
نہیں ۔ ویسے امید ہے ، جواب بھی کچھ کم زور دار نہیں
ہوگا ۔" فاروق بولا ۔

"اگر کچھ کم زور دار ہوا تو باقی زور تم لگا دینا ۔" محمود
نے جل کر کہا ۔

"بہت بہتر ۔ مشورے پر عمل کروں گا ۔"

"دوسرا سوال یہ ہے کہ اب آپ موناکا کو کس طرح
تلاش کریں گے ؟"

"اس کو تلاش کرنا کچھ مشکل نہیں ۔ وہ خود ہی ہم
تک پہنچ جائے گا ۔ صبح کے اخبار میں پھر ایک اشتہار
شائع ہوگا ۔" انھوں نے مسکرا کر کہا ، پھر بولے :

"آؤ چلیں ۔"

وہ واپس ہوٹل الباشا پہنچے ۔ راحل کو انھیں دیکھ کر حیران
ہوئے بغیر نہ رہ سکا :

"آپ لوگ تو واقعی زندہ سلامت لوٹ آئے ۔"

"اپنا اطمینان کر لیں ۔ کہیں ہم رُوحیں نہ ہوں ۔"

"ارے باپ رے ۔" اس نے گھبرا کر کہا ۔

"اخبارات کو ایک اور اشتہار دینا ہے ۔"

"جی بہتر ۔ لیکن آپ نے بتایا نہیں ۔ موناکا سے مُلاقات
ہوئی یا نہیں ؟"

"ہاں ہو چکی ہے ۔ امید ہے ۔ پھر ہو گی ۔"

"تفصیل نہیں بتائیں گے ۔" اس نے ان کی طرف بغور
دیکھا ۔

انھوں نے مختصر طور پر واقعات سُنا دیے ۔ راحل کو
کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔ انسپکٹر جمشید نے اشتہار
کا مضمون لکھ دیا ۔ صبح کے اخبارات میں اشتہار چھپ چکا
تھا ۔ اس کے الفاظ یہ تھے :

"مسٹر موناکا !

ہم ایک بار پھر بچ گئے ہیں اور تمھارے استقبال
کے لیے ہوٹل الباشا میں موجود ہیں ۔ ہمت ہے
تو ایک بار پھر رابطہ قائم کرو ۔

انسپکٹر جمشید ؛"

ابھی وہ اخبار میں یہ اشتہار پڑھ ہی رہے تھے کہ
فون کی گھنٹی بجی ۔

"ہیلو۔ کون صاحب بول رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا۔

"موناکا!" دوسری طرف سے سرد آواز میں کہا گیا۔

"اوہ۔ مسٹر موناکا آپ۔ لیکن آپ کا موڈ کیوں آف ہے؟"

"اس مرتبہ بھی مجھے ایک فی صد امید نہیں تھی کہ آپ لوگ بچ جائیں گے۔ لیکن ہوا اُلٹ۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔ لیکن اس میں ہمارا کیا قصور؟"

"ہاں۔ واقعی۔ قصور تو بنگالی فوجیوں کا ہے۔"

"پھر۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"آپ سے باقاعدہ مقابلہ کرنا ہوگا۔"

"یہی تو ہم چاہتے ہیں۔ کھل کر سامنے آ جائیں۔ اور دو دو ہاتھ کر لیں۔"

"اب ایسا ہی کروں گا۔" موناکا نے کہا۔

"تو پھر ہم آپ کے پیغام کا انتظار کر رہے ہیں۔ پہلے اچھی طرح سوچ لیں، غور کر لیں۔ کہ اب کیا کرنا ہے، اس کے بعد ہمیں اپنے فیصلے کی اطلاع دیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تو میں بھی غور کرنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ ویسے آپ لوگوں کو ختم کرنا واقعی کوئی

مشکل معاملہ نہیں۔ لیکن اگر دوسروں کے حوالے کرنا ہو تو بات اور ہے۔" موناکا بولا۔

"ہم بھی آپ سے آخری جنگ کی تیاری شروع کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

"مائیکرو فلم کی بات نہیں کریں گے۔"

"اس پر بھی بات ہو گی۔ پہلے آمنا سامنا تو ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آمنا سامنا ہوگا۔" موناکا نے ریسیور رکھ دیا۔

"مسٹر رامل کو۔ آپ کے شہر میں سگریٹ بنانے والی کوئی بہت بڑی فرم ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ریسیور رکھ کر کہا۔

"جی ہاں بالکل ہے۔"

"ذرا ہمیں اس تک لے چلیں۔"

"جی۔ یہ آپ کو سگریٹ بنانے والی فرم کی کیا سوجھ گئی؟"

"بس ذرا کام ہے۔" وہ بولے۔

"چلیے۔ لے چلتا ہوں۔" اس نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

وہ سگریٹ کی فرم میں پہنچے۔ جلد ہی وہ اس کے مینیجر کے سامنے بیٹھے تھے۔ رامل کو نے تعارف کرایا۔ اس

کے بعد انسپکٹر جمشید نے سگریٹ کا وہ پیکٹ نکال کر اس
کے سامنے رکھ دیا:

"ذرا اس پیکٹ کو دیکھیں۔"

"جی - اس میں کیا خاص بات ہے۔" اس نے پیکٹ کو
اُٹھاتے ہوئے کہا، پھر زور سے چلّا کر کہا:

"ارے باپ رے - یہ - یہ آپ کو کہاں سے ملا - یہ -
یہ تو۔" وہ کہتے کہتے رک گیا - اس کا رنگ اڑ گیا -

"ہاں ہاں - فرمایئے - یہ کیا۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"یہ سگریٹ تو آج سے پندرہ سال پہلے بند ہو گئے تھے۔"

"ہاں! یہی میں کہتا ہوں، پھر یہ اب کہاں سے آ گئے؟"

"اور پوری دُنیا میں جتنے بھی پیکٹ یا ڈبے ان سگریٹوں کے
تھے - سب کے سب تلف کر دیے گئے تھے۔"

"بالکل ٹھیک - میری یادداشت بھی یہی کہتی ہے۔" انسپکٹر جمشید
جلدی سے بولے۔

ان کے جملے پر سگریٹ کمپنی کے مینجر نے انھیں نظر بھر
کر دیکھا، پھر بولا:

"اگر آپ کو یہ سب باتیں یاد ہیں تو پھر آپ مجھ سے
کیا پُوچھنے آئے ہیں؟"

"اپنا اطمینان کرنے آیا ہوں۔"

"پھر میں یہی کہوں گا کہ آپ کی یادداشت آپ کو دھوکا
نہیں دے رہی۔"

"شکریہ - اب صرف یہ بتا دیں کہ کیا یہ سگریٹ پھر
بننے لگے ہیں۔"

"ہرگز نہیں - اس سگریٹ کے تمباکو کے تو تمام کھیتوں کو
بھی آگ لگا دی گئی تھی۔"

"ہُوں! تب پھر - کیا آپ کو یہ بات عجیب نہیں لگتی کہ
اتنے عرصے بعد پھر یہ پیکٹ نظر آئے۔"

"ہاں! اس کا ایک ہی جواب ہے - اس وقت کسی نے
اس سگریٹ کے ڈبے محفوظ کر لیے ہوں۔"

"ہُوں! لیکن کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی - جب کہ
یہ سگریٹ ممنوع قرار دے دیے گئے تھے۔"

"ہو سکتا ہے - کوئی شخص ان کا حد درجے عادی ہو گیا ہو۔"

"اچھا - یہ بتایئے - یہ سگریٹ کی کمپنی کیا اب بھی سگریٹ
ہی بنانے کا کاروبار کرتی ہے؟"

"نہیں - اس کی تو پوری دُنیا میں بدنامی ہو گئی تھی - اس
لیے انھوں نے اپنا دفتر وغیرہ بھی بند کر دیا تھا۔" اس نے
کہا -

"جہاں تک مجھے یاد ہے - اس سگریٹ کی کمپنی کا

صدر دفتر اسی مُلک اور اسی شہر میں تھا۔" انسپکٹر جمشید نے مُسکرا کر کہا۔

"آپ کی یادداشت کی داد دینا پڑتی ہے۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"شکریہ!" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

"کیا آپ کا تعلق بھی سگریٹ بنانے والی کسی فرم سے ہے؟" اس نے پُوچھا۔

"جی نہیں! رامل کو نے میرا تعارف کراتے وقت بتا دیا تھا کہ میں کیا ہُوں۔" وہ بولے۔

"پھر آپ کو یہ باتیں کس طرح یاد رہ گئیں؟" اس نے حیران ہو کر پُوچھا۔

"اس یادداشت کی مہربانی سے، جس کی آپ داد دے رہے ہیں۔"

"ہُوں۔ لیکن آپ کو اس سلسلے میں اُلجھن کیا ہے؟"

"اُلجھن بہت بڑی ہے۔ ایک بہت مشہور آدمی ان سگریٹوں کو استعمال کر رہا ہے۔ اور میں اس مشہور آدمی کو گرفتار کرنا چاہتا ہُوں۔"

"تت۔ تو کیا آپ سگریٹ کے اس پیکٹ کے ذریعے اسے گرفتار کریں گے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! ارادہ تو یہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مُسکرا کر کہا۔

"بھلا میں کیا کر سکتا ہُوں جناب۔ یہ آپ کا کام ہے۔" اس نے کہا۔

"آپ میری مدد ضرور کر سکتے ہیں۔"

"میں ہر طرح حاضر ہُوں۔" اس نے کہا۔

"اس فرم کے مالک کا نام اور پتا بتا سکتے ہیں آپ؟" انھوں نے پُوچھا۔

"فرم کے مالک کا نام اور پتا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں!"

"بھلا میں کس طرح بتا سکتا ہُوں۔ اگر وہ سگریٹ کا ہی کام کر رہے ہوتے تو پھر میں ضرور بتا سکتا تھا۔"

"شکریہ۔ لیکن آپ یہاں کچھ غلط کر گئے۔" انسپکٹر جمشید نے نرم انداز میں کہا اور ساتھ میں مُسکرائے بھی۔

"جی۔ کیا مطلب۔ میں کیا غلط کر گیا۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"آپ بے شک ان کا پتا نہ جانتے ہوں۔ لیکن نام آپ کو ضرور یاد ہو گا۔"

"اوہ ہاں۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ واقعی میں فرم کے

مالک کا نام بتا سکتا ہوں۔"

"شکریہ۔ چلیے نام ہی بتا دیں۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔"

"ان کا نام سر موگان تھا۔"

"سر موگان۔ شکریہ۔ اور آپ کا نام کیا ہے؟"

"میں رابیل آما ہوں۔" اس نے بتایا۔

"بہت بہت شکریہ۔ کیا آپ اس فرم کے مالک ہیں؟"

"نہیں۔ صرف جنرل مینجر ہوں۔"

"سر موگان کا صدر دفتر کہاں تھا؟"

"دیونا روڈ پر۔ لیکن وہ دفتر تو اس وقت بند کر دیا گیا تھا۔" رابیل نے کہا۔

"چلتے چلتے ایک بات اور بتا دیں۔ یہ بات کس طرح معلوم ہوئی تھی کہ اس تمباکو میں زہر پایا جاتا ہے؟"

"آپ کے ملک کے ایک ڈاکٹر نے اس پر تحقیقات کی تھیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ مجھے بھی یہی بات یاد آ رہی تھی۔ لیکن شاید آپ اس ڈاکٹر کا نام نہ بتا سکیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! مجھے نہیں یاد۔" رابیل نے کندھے اچکائے۔

"جب کہ مجھے ان کا نام بھی اچھی طرح یاد ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں آپ کی یادداشت کی پہلے ہی داد دے چکا ہوں۔" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اور ان کا نام کیا تھا ابا جان؟" فرزانہ بولی۔

"ڈاکٹر بخاری۔"

"کیا!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

پیغام آ گیا

راحل کو اور رابیل آما نے ان تینوں کو حیرت زدہ انداز میں دیکھا، پھر رابیل آما نے کہا:

"آپ کے بچوں کو کیا ہوا؟"

"حیرت — جب انھیں کسی بات پر زیادہ حیرت ہوتی ہے تو یہ اسی طرح ایک ساتھ چلا اُٹھتے ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

"لیکن انھیں یہ نام سن کر حیرت کیوں ہوئی؟" راحل کو بولا۔

"اس لیے کہ یہ ڈاکٹر بخاری صاحب سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"اوہ!" اب وُہ ایک ساتھ بولے۔

ساتھ ہی انسپکٹر جمشید اُٹھ کھڑے ہوئے۔ باہر نکل کر انسپکٹر جمشید بولے:

"اب ہمیں ریونا روڈ پر جانا ہے۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ آپ یکایک اس سگریٹ کمپنی کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔ جو آج سے پندرہ سال پہلے ختم ہو چکی ہے۔"

"یہ میری عادت ہے۔ امید ہے، آپ محسوس نہیں کریں گے۔"

"تو کیا موناکا کا خیال آپ نے دل سے نکال دیا ہے؟"

"نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے تعاقب میں تو یہاں تک آیا ہوں۔ بلکہ تقدیر خود لے آئی ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ چلیے۔" راحل کو نے کندھے اُچکائے۔

اب وُہ ریونا روڈ پر پہنچے۔ انھیں فوراً ہی معلوم ہو گیا کہ سگریٹ کمپنی کا دفتر کس جگہ تھا۔ اس جگہ اب ایک شان دار قسم کا شاپنگ پلازا کھڑا تھا۔

"مسٹر راحل کو۔ ہمیں اس کے مالک سے ملنا ہے۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

پانچ منٹ بعد وُہ اس عمارت کے مالک کے سامنے بیٹھے تھے۔ وُہ بھاری بھرکم، مگر چست و چالاک سا آدمی نظر آیا:

"فرمائیے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ ہمیں سر موگان سے ملوا سکتے ہیں؟"

"سر موگان۔ کیا مطلب؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"پندرہ سال پہلے آپ کے اس پلازا کی جگہ سگریٹ کی ایک کمپنی کا دفتر تھا۔"

"ہاں! بالکل تھا۔" اس نے فوراً کہا۔

"اور اس کمپنی کے مالک کا نام سرموگان تھا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ یاد آگیا۔"

"تو آپ نے یہ جگہ ان سے خریدی تھی۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"مہربانی فرما کر سرموگان کا پتا بتا دیں۔"

"وہ فوت ہو چکے ہیں۔"

"یہ جان کر بہت افسوس ہوا۔ ان کی رہائش کہاں تھی؟"

"۹۰۵ راشا روڈ۔"

"شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"اور اب آپ کو راشا روڈ جانا ہے۔" رامل کو نے باہر نکلتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"آپ ٹھیک سمجھے۔" وہ بولے۔

"میں آپ کا طریقہ کار کسی حد تک جان گیا ہوں۔ آپ کو جب کوئی سُراغ مل جاتا ہے تو آپ اس کے ذریعے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا۔

وہ ۹۰۵ راشا روڈ پہنچ گئے۔ محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک لڑکی کی صورت نظر آئی:

"فرمایئے۔ کیا بات ہے؟"

"ہمیں سرموگان سے ملنا ہے۔"

"وہ تو کب کے فوت ہو چکے۔"

"ان کی اولاد میں سے کسی سے ملا دیں۔"

"خیر تو ہے۔ کام کیا ہے؟"

"بہت ضروری کام ہے۔"

"اچھا آیئے۔ میں بھائی جان سے آپ کو ملوا دیتی ہوں۔" اس نے کہا اور پیچھے ہٹ گئی۔

ایک بہترین طرز پر سجے ڈرائنگ روم میں انھیں بٹھا کر وہ چلی گئی۔ اور پھر ایک لمبے قد کا آدمی اندر داخل ہوا:

"آپ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں؟" اس نے ڈھیلی ڈھالی آواز میں کہا۔

"اگر آپ سرموگان کے لڑکے ہیں تو ضرور ہم آپ سے ہی ملیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"آپ کا نام ؟"

"پہلے آپ بتائیں۔ آپ ملنا کس سلسلے میں چاہتے ہیں ؟"

انسپکٹر جمشید نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ پیکٹ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں حیرت اور اُلجھن نظر آئی :

"یہ کیا۔ سگریٹ کا ایک خالی پیکٹ"

"ہاں ! ہم اس خالی پیکٹ کے سلسلے میں آپ سے مُلاقات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ پہلے اس کو غور سے دیکھ لیں"

"میں دیکھ چکا ہوں۔ یہ ہماری فرم کے سگریٹ کا پیکٹ ہے۔ جسے پندرہ سال پہلے بند کر دیا گیا تھا"

"اس کے بعد آپ کے والد نے کیا کیا ؟"

"وُہ بے چارے کیا کرتے۔ پیروں پر کھڑے ہونے کے لیے انھیں پھر سے ہاتھ پاؤں مارنا پڑے۔ اور بڑی محنت کے بعد کہیں جا کر وُہ دولت کمانے کے قابل ہوئے"

"یہ سگریٹ کس شخص کی وجہ سے بند ہوئے تھے ؟"

"کوئی ڈاکٹر بخاری تھے۔ مشرقی مُلک کے رہنے والے"

"ان کے خلاف تو آپ لوگوں کے دلوں میں بہت غُصّہ بھرا رہا ہوگا"

"بس کیا بتائیں۔ اگر وُہ ہمارے سامنے آجائیں تو ہم

انھیں کچا چبا جائیں۔ انھیں بھی کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیں"

"آپ کل کتنے بہن بھائی ہیں ؟"

"دو بھائی ایک بہن"

"دُوسرے بھائی سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے ؟"

"ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وُہ کبھی کہیں ہوتے ہیں اور کبھی کہیں"

"آپ کا نام ؟"

"شوگان" اس نے بتایا۔

"دُوسرے بھائی کا نام بتانے میں کوئی اعتراض نہ ہو تو" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میلونا"

"تو ان سے کہاں مُلاقات ہو سکتی ہے۔ یہ آپ نہیں بتا سکتے" انھوں نے پُوچھا۔

"نہیں۔ اس لیے کہ مَیں خود بھی نہیں جانتا۔ وُہ سیر و تفریح کے دل دادہ ہیں، مہینوں مُلاقات نہیں ہوتی"

"اچھا جناب۔ شکریہ"

اب وُہ واپس ہوٹل پہنچے۔ کاؤنٹر کلرک نے انھیں دیکھتے ہی ہاتھ کا اشارہ دیا۔ وُہ اس کی طرف بڑھے۔

"ایک صاحب بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہے

ہیں۔ آپ انتظار گاہ میں ان سے مُلاقات کرنا پسند کریں گے
یا میں انھیں آپ کے کمرے میں بھیج دوں؟"

"کمرے میں ہی بھیج دیں۔" انسپکٹر جمشید کچھ سوچ کر بولے
اور آگے بڑھ گئے:

"ہوشیار۔ مُلاقاتی۔ مونا کا بھی ہو سکتا ہے۔" انھوں نے
سرگوشی کی۔

"اللہ مالک ہے۔ ویسے ہمارا دل بھی چاہتا ہے۔ اب
اس سے مُلاقات ہو ہی جائے۔ بہت دیر ہو گئی۔" فرزانہ نے
کہا۔

"پہاڑیوں پر مُلاقات ہوئے زیادہ دیر تو نہیں ہوئی۔" فارُوق
نے منہ بنایا۔

"وہ مُلاقات ذرا روکھی پھیکی تھی۔" محمود مُسکرایا۔

اپنے کمرے میں آکر انھوں نے احتیاطی تدابیر اختیار
کیں اور مُلاقاتی کا انتظار کرنے لگے۔ جلد ہی قدموں کی آواز
سُنائی دی اور پھر دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس۔ تشریف لے آئیے۔"

دروازہ کُھلا اور ایک پریشان حال سا نوجوان اندر
داخل ہوا۔ وہ خالی ہاتھ تھا۔ اور تھا بھی چھوٹے قد
کا پتلا دُبلا آدمی۔ گویا کسی طرح بھی مونا کا نہیں ہو سکتا

تھا۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے مورچے سے نکل کر اس کے
سامنے آ گئے۔

"یہ۔ یہ کیا۔ آپ لوگ اِدھر اُدھر کیوں چھپے ہوئے
تھے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔" فارُوق مُسکرایا۔

"تو پھر اس کا باپ کون ہے۔" اس نے فوراً کہا۔

"پپ۔ پتا نہیں۔" فارُوق نے گھبرا کر کہا اور وہ مُسکرا
دیے۔ اجنبی نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آپ کون ہیں اور ہم سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔"

"میں ایک پرائیویٹ جاسوس ہوں۔ آپ کی طرف سے شائع
کرائے جانے والے اشتہارات میں نے بھی پڑھے اور
آپ سے مُلاقات کرنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ کیوں کہ"
وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیوں کہ کیا؟" فارُوق نے جلدی سے کہا۔

"کیوں کہ۔ مونا کے چکر میں میں بھی بہت عرصے تک رہا
ہوں۔" اس نے کہا۔

"اوہو اچھا۔" انسپکٹر جمشید چونک اُٹھے۔

"جی ہاں! میں نے سوچا۔ شاید میری معلومات آپ کے کسی
کام آ سکیں۔ میں خود تو ان سے کوئی فائدہ اُٹھا نہیں سکا۔"

"بہت بہت شکریہ - آپ نے اس کے بارے میں کیا معلومات جمع کی ہیں؟"

"وہ پتلا دُبلا اور لمبے قد کا آدمی ہے - اس کا اصلی چہرہ آج تک کسی نے نہیں دیکھا - وہ ہر وقت میک اپ میں رہتا ہے - لہٰذا اس کا حلیہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

"یہاں تک تو آپ کی باتیں بالکل ٹھیک ہیں - اور یہ باتیں ہمیں بھی معلوم ہیں - لیکن بھلا ہم ان سے کیا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، دُوسرے یہ کہ آپ نے یہ کس طرح معلوم کیا کہ وہ پتلا دُبلا اور لمبے قد کا ہے؟"

"ایک بار میرا اور اس کا آمنا سامنا ہو چکا ہے۔"

"کیا!" وہ ایک ساتھ بولے - چہروں پر حیرت پھیل گئی -

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورتے ہوئے پُوچھا -

"جی کیا مطلب - بھلا کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"ابھی تک پولیس کے پاس اس کا کوئی خاص ریکارڈ نہیں ہے - اگر آپ کا اس سے آمنا سامنا ہو گیا تھا تو آپ نے یہ بات پولیس کو کیوں نہیں بتائی؟"

"آپ شاید نہیں جانتے کہ پرائیویٹ جاسوسوں کی پولیس

سے کبھی بھی نہیں بنتی - ان کا تو آپس میں خُدا واسطے کا بیر رہتا ہے۔"

"ہاں! یہ تو ٹھیک ہے۔"

"تو پھر مَیں کیوں پولیس کو بتاتا - مَیں نے سوچا، مَیں اپنے طور پر ہی کیوں نہ تحقیقات کروں اور مَیں نے کافی دنوں تک کوشش کی - لیکن اس کے بارے میں زیادہ معلوم نہ کر سکا -"

"خیر - آپ ہمیں اس کے علاوہ اور کیا بتا سکتے ہیں؟" محمُود نے جلدی سے کہا -

"شہر میں اگر اس کا کوئی ٹھکانا ہو سکتا ہے تو وہ ہے پُرانا گھاٹ۔"

"پُرانا گھاٹ - کیا سمندر کے کنارے کوئی علاقہ ہے؟" انھوں نے پُوچھا -

"جی - دراصل پُرانا گھاٹ شہر کے ایک سرے پر واقع ایک پُرانی بستی ہے - کسی زمانے میں یہاں صرف دھوبی رہتے تھے - اور وہ جگہ دھوبیوں کا گھاٹ کہلاتی تھی، لیکن اب اسے صرف پُرانا گھاٹ کہا جاتا ہے۔"

"تو کیا اس جگہ کے نزدیک ہی سمندر نہیں ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پھر پُوچھا -

"سمندر تو خیر ہے۔ لیکن آپ سمندر کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ موناکا کی آمد و رفت بھی سمندر کے ذریعے ہے۔"

"ہوں! شکریہ۔ ہاں تو میں کہ رہا تھا کہ وہ اگر کہیں مل سکتا ہے تو صرف پرانے گھاٹ پر۔"

"خیر۔ ہم پرانے گھاٹ کو بھی دیکھ لیں گے۔ کوئی اور بات؟"

"اور بات یہ کہ اس کا باقاعدہ ایک گروہ ہے۔ وہ بہت سے کام اس گروہ سے لیتا ہے، لیکن اہم کام ہمیشہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتا ہے۔"

"لیکن آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی؟"

"میں کہ چکا ہوں۔ میرا اس سے آمنا سامنا ہو چکا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے۔ مہربانی فرما کر اس آمنے سامنے کی تفصیل سنا دیں۔"

"میں سراغ لگاتے لگاتے پرانے گھاٹ تک پہنچ گیا تھا، اس کے ایک آدمی سے میری ٹکر بھی ہوئی تھی، لیکن جب وہ میرے ہاتھوں چوٹ کھا گیا تو پھر موناکا خود میرے مقابلے پر

آیا تھا اور۔"

"اور کیا۔" محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

"اور یہ کہ اس نے مجھے چند سیکنڈ میں ہی بے بس کر دیا تھا، پھر مجھے شہر کے ایک دور دراز علاقے میں ہوش آیا۔ اس روز کے بعد میں نے پرانے گھاٹ کا رخ کرنے کی جرأت نہیں کی۔ کر کے کروں بھی کیا۔ پولیس تو ساتھ دیتی نہیں۔ اور موناکا کے سلسلے میں کوئی کیس بھی ہاتھ نہیں لگا۔ اتنا کام بھی میں نے صرف اپنے طور پر کیا تھا، کیوں کہ ذہن میں سوال ابھرا تھا کہ دیکھوں تو سہی۔ موناکا آخر کون ہے، لیکن افسوس میں جان نہیں سکا۔"

"آپ کی ساری گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ ہم موناکا سے پرانے گھاٹ پر ملاقات کر سکتے ہیں۔ وہی اس کا ٹھکانا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"شکریہ۔ ہم پرانے گھاٹ ضرور جائیں گے اور اگر وہاں موناکا سے ملاقات ہو جاتے تو اس سے اچھا بات اور کیا ہو سکتی ہے۔"

"تو پھر اب مجھے اجازت ہے؟"

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"جی کیا مطلب ـ کیوں نہیں ہو سکتا۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ابھی تک آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا ـ میرا نام مسٹر ڈامل کو جانتے ہیں۔" اس نے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ ٹھیک ہے جناب ـ یہ مسٹر ٹونا ہیں ـ ہمارے لیے ناپسندیدہ آدمی۔" ڈامل کو نے منہ بنا کر کہا۔

"ناپسندیدہ ـ کیا مطلب؟"

"پولیس سے قطعاً تعاون نہیں کرتے اور الزام یہ لگاتے ہیں کہ پولیس ان سے تعاون نہیں کرتی۔"

"دیکھیے جناب ـ یہ آپ سراسر الزام لگا رہے ہیں مجھ پر۔" اس نے بُرا مان کر کہا۔

"خیر ـ میں آپ سے بحث کیوں کروں۔" ڈامل کو نے کندھے اُچکائے ـ

"بہرحال ہم آپ کے شکرگزار ہیں مسٹر ٹونا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ـ

اس نے اُٹھ کر ہاتھ ملایا اور چلا گیا ـ

"اس کی باتوں پر اعتبار کرنے کی ضرورت نہیں جناب، یہ فضول آدمی ہے۔"

"فضول آدمی ہو سکتا ہے ـ لیکن اس وقت یہ کام کی بات لے کر آیا تھا۔"

"جی ـ کیا مطلب؟" ڈامل کو چونکا۔

"میرا مطلب ہے ـ اس وقت یہ موناکا کا پیغام لے کر آیا تھا۔"

"کیا!!!" محمود، فاروق اور فرزانہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا ـــ

پُرانا گھاٹ

چند سیکنڈ تک خاموشی طاری رہی، پھر فاروق نے کہا:

"اگر یہ بات تھی تو آپ نے اسے جانے کیوں دیا؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ کہ لُونا مونا کا کا آدمی ہے۔ اور اس نے ہی اسے ہمارے پاس بھیجا تھا، دُوسرے یہ کہ اگر ہمارے پاس کوئی ثبوت بھی ہوتا تو بھی میں اسے ہرگز گرفتار نہ کراتا۔ اس طرح مونا کا ہمیں پُرانے گھاٹ پر ہرگز نہ ملتا۔ جب کہ اب مُلاقات ضرور ہو گی اور شاید یہ اس سے آخری مُلاقات ہو۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ۔ تو کھیل ختم ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔"

"ہاں! لیکن پُرانا گھاٹ جانے سے پہلے ہم ایک بار عرفان مجید سے ملنے جائیں گے۔ کیوں کہ عرفان مجید نے بھی

مونا کا کو دیکھا ہے۔ اور قریب سے دیکھا ہے۔ گویا اس شہر میں صرف دو آدمی ایسے ہیں جن کا بیان یہ ہے کہ انھوں نے مونا کا کو دیکھا ہے۔ لیکن اس کی اصل شکل صورت کیا ہے۔ یہ وہ نہیں بتا سکتے، کیوں کہ مونا کا میک اپ کا ماہر ہے۔"

یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید کھڑے ہو گئے۔

"مسٹر رامل کو اب آپ ہمارے ساتھ چلیں گے۔"

"ضرور۔ جو حکم۔" اس نے کہا۔

وُہ عرفان مجید کے ہاں پہنچے۔ اس نے گرم جوشی سے استقبال کیا:

"پہلی مُلاقات پر میں تفصیل نہیں پُوچھ سکا۔ مونا کا سے تمھاری مُلاقات کن حالات میں ہوئی تھی۔ اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس نے تم سے مونا کا کے نام سے ہی مُلاقات کی ہو۔ کیوں کہ اس کی آمد کی اطلاع دیتے ہوئے تم نے اس کا یہی نام بتایا تھا۔ جب کہ مونا کا کا نام یہاں کے لوگوں کے لیے کوئی عام نام نہیں ہے۔ ایک خاص اور خوف ناک نام ہے۔"

"ہاں! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مونا کا نے اپنے اصل نام سے ہی مجھ سے مُلاقات کی تھی اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ

وُہ تین دن تمھارے ملک میں گزارنا چاہتا ہے اور تمھارے
گھر بطورِ مہمان رہنا چاہتا ہے؛ چنانچہ اگر میں نے تمھارے
ہاں اس کی رہائش کا بندوبست کروا دیا تو ٹھیک۔ ورنہ
میں اَن گنت مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ موناکا سے
یہاں کون نہیں ڈرتا۔ ایک مرتبہ ایک سیٹھ اس سے ٹکر
لے بیٹھا تھا۔ اس نے سیٹھ سے صرف اتنا کہا تھا کہ
اس کے اکاؤنٹ میں ایک کروڑ روپے جمع کروا دے،
کیوں کہ اسے ضرورت ہے۔ ویسے وُہ اس طرح رقوم
حاصل کرنے کا عادی نہیں، لیکن اس بار مجبور ہو کر
ایسا کر رہا ہے۔ اور جُوں ہی اس کے بنک میں رقم
جمع ہوئی۔ وُہ ایک کروڑ واپس کر دے گا۔ لیکن سیٹھ
نے رقم جمع نہیں کروائی۔ سارا شہر جانتا ہے۔ پھر
کیا ہوا تھا۔"

"کک۔ کیا ہوا تھا؟" محمود ہکلایا۔

"پہلے اس کی مل کو آگ لگائی گئی۔ یہاں تک کہ
مل جل کر راکھ ہو گئی۔ فائر بریگیڈ کی کوئی گاڑی
اس کی مل تک نہیں پہنچ سکی۔ ان کو راستے میں ہی
پنکچر کر دیا گیا۔ پھر اس کی کوٹھی کو آگ لگا دی گئی،
اب سیٹھ کے پاس صرف بنک بیلنس رہ گیا تھا۔ اس نے

بنک سے رقم نکال کر نئی عمارت بنوائی۔ کچھ قرض بھی لینا
پڑا۔ لیکن اس عمارت کو بھی آگ لگا دی گئی اور وُہ بھی
جل کر راکھ ہو گئی۔ اب وُہ بے چارہ کنگال ہو چکا
ہے اور محنت مزدوری کرتا پھرتا ہے۔"

"اور۔ اور پولیس کچھ نہیں کر سکی۔"

"کرے کیسے۔ کوئی نہیں جانتا۔ موناکا کون ہے۔ جب
تک یہ بات معلوم نہ ہو۔ اسے گرفتار کس طرح کیا جا
سکتا ہے۔"

"عرفان مجید۔ تب تم سے اس معاملے میں بنیادی غلطی
ہوئی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب؟" عرفان مجید نے چونک کر کہا۔

"جب وُہ یہاں آیا تھا تو کرسی یا میز وغیرہ پر اپنی
انگلیوں کے نشانات ضرور چھوڑ گیا ہو گا۔ تمھیں کم از کم
وُہ نشانات ضرور محفوظ کروا لینے چاہییں تھے۔"

"م۔ میں اس کی دھمکی سے حد درجے خوف زدہ ہو گیا
تھا۔" عرفان نے کہا۔

"حیرت کی بات یہ ہے کہ اس نے یہ کیسے معلوم کر لیا
کہ تمھارے مجھ سے دوستانہ تعلقات ہیں۔"

"ہاں! اس پر مجھے بھی حیرت ہوئی تھی۔ لیکن میرے

پوچھنے پر بھی اس نے کچھ نہیں بتایا۔"

"نہیں عرفان مجید- یہ بات نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کک - کیا مطلب؟" عرفان مجید زور سے اچھلا- اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

محمود، فاروق اور فرزانہ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا- راحل کو بھی حد درجے حیران نظر آرہا تھا۔

"یہ - یہ تم نے کیا کہا جمشید؟"

"عرفان مجید - میں اس بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"کس بات پر؟"

"کہ موناکا نے اپنے طور پر کسی طرح یہ معلوم کر لیا تھا کہ تمھارے مجھ سے دوستانہ تعلقات ہیں۔"

"کیوں - اس میں عجیب بات کیا ہے - وہ تو بڑے بڑے راز حاصل کر لیتا ہے۔"

"ہاں! کر لیتا ہے - لیکن تمھاری مدد کے بغیر وہ یہ معلوم

نہیں کر سکتا تھا کہ تم میرے دوست ہو - کیوں کہ میری اور تمھاری دوستی کے بارے میں صرف میں جانتا ہوں یا تم- اور لوگوں کو نہیں معلوم، کیوں کہ ایک عرصہ ہوا تم یہاں رہ رہے ہو- تو پھر آخر موناکا کو کس طرح معلوم ہو گیا؟"

عرفان مجید سکتے میں رہ گیا- پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرے دوست - تمھیں اس سوال کا جواب تو دینا ہی ہو گا۔"

"مم - میں - میں کیا جواب دوں۔"

"اچھا تو پھر موناکا کو فون کرو - اور یہاں بلاؤ۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"یہ - یہ تم کیا کہہ رہے ہو - میں موناکا کو فون کروں اور بلاؤں۔" عرفان مجید کی آواز کانپ گئی۔

"بالکل! میرے اندازے بہت مشکل سے غلط ہوتے ہیں - تمھارے اس سے گہرے تعلقات ہیں - بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ تم اس کے گروہ کے خاص آدمی ہو - بلکہ شاید اس کے نائب ہو۔"

"نن - نہیں۔" عرفان مجید بلند آواز میں چلایا۔

"تمھارا چلانا اس بات کا ثبوت ہے۔"

عرفان مجید کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ انھیں
یُوں لگا جیسے وُہ پتھر کا ہو گیا ہو۔

"عرفان مجید۔ چھپا کر تم نقصان میں رہو گے۔ موناکا تُمھیں
یہاں کی پولیس سے تو بچا سکتا ہے۔ میرے ہاتھ سے نہیں
تم جہاں اس مُلک کے مُجرم ہو، موناکا کے ساتھی ہونے
کی حیثیت سے۔ وہاں میرے اور میرے مُلک کے بھی
مُجرم ہو۔ گویا خود اپنے مُلک کے ساتھ تم نے غداری کی
ہے۔ تم سزا سے نہیں بچ سکتے۔ بہتر ہو گا۔ مدد کے
لیے موناکا کو یہاں بلا لو۔ مَیں اس کو پُرانے
گھاٹ پر تلاش کرنے سے بچ جاؤں گا۔ اور پھر وہاں تو
اس نے ہمارے لیے جال بچھا رکھا ہو گا۔"

"تت۔ تو تمھیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وُہ پُرانے
گھاٹ پر مل سکتا ہے۔" عرفان مجید نے اکھڑے اکھڑے
لہجے میں کہا۔

"معلوم نہیں ہوا۔ اس نے پیغام بھیجا ہے۔"

"مگ۔ کس کے ذریعے؟"

"اپنے ایک آدمی کے ذریعے۔ اور اس آدمی کا نام تُونا
ہے۔ تُونا جو ایک پرائیویٹ جاسوس ہے۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔

"اب رہ گئے تم۔ تم کیا کہتے ہو؟"

"تم۔ مَیں۔ مَیں اسے مدد کے لیے بلاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"یہی مَیں چاہتا ہُوں۔ کرو رابطہ قائم۔"

عرفان مجید مشینی آدمی کی طرح اُٹھا اور اندھوں کی طرح
ایک الماری کی طرف بڑھا۔ اس نے الماری کے پٹ کھول
ڈالے۔ الماری میں وائرلیس سیٹ موجود تھا۔ اس نے
اس کا بٹن دبایا۔ اس میں ٹوں ٹوں شروع ہو گئی۔
جلد ہی ایک آواز اُبھری:

"ہیلو۔ کون؟"

"نمبر دو۔" عرفان کے مُنہ سے نکلا۔

"کیا بات ہے سر؟"

"مسٹر موناکا سے بات کروں گا۔"

"وُہ اس وقت نہیں ہیں۔ پیغام لکھوا دیں۔ ایک منٹ
وُہ تشریف لے آئے ہیں۔ مسٹر موناکا نمبر دو بات کر
رہے ہیں۔"

"ہُوں۔ ٹھیک ہے۔" اُنھوں نے موناکا کی آواز سُنی۔
پھر آواز نزدیک آ گئی:

"مسٹر عرفان مجید۔ مَیں جانتا ہُوں۔ تم نے مجھے کیوں
فون کیا ہے؟"

"آپ کس طرح جانتے ہیں سر؟"

"کیا اس وقت انسپکٹر جمشید تمھارے گھر میں موجود نہیں ہیں؟"

"یہ بالکل ٹھیک ہے سر۔"

"تب پھر مَیں یہ بھی جانتا ہوں - وہ کیا چاہتے ہیں - لیکن مَیں اتنا بے وقوف نہیں کہ ان کی دعوت پر تمھارے گھر چلا آؤں۔"

"لیکن سر- یہ مجھے قانون کے حوالے کر دیں گے۔"

"تو کیا ہوا عرفان مجید- قانون کی قید سے نکلوا لینا میرے لیے کیا مشکل ہے- تم بے فکر ہو کر جیل چلے جاؤ- بہت جلد تم باہر ہو گے۔"

"لیکن سر- یہ قید یہاں کے قانون کی نہیں- انسپکٹر جمشید کی ہو گی۔"

"وہ تو تمھارے دوست ہیں۔"

"لیکن- جب انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ مَیں آپ کا ساتھی ہوں تو وہ میرے دوست نہیں رہے۔"

"ٹھیک ہے- اس وقت تم ان کی قید میں چلے جاؤ، نکال لینا میرا کام ہو گا۔"

"تو آپ یہاں آ کر مجھے ان سے بچا کیوں نہیں لیتے-

اس میں کیا خطرہ ہے۔"

"میں دشمن سے اپنے طریقے سے مقابلہ کرتا ہوں- اس کے طریقے سے نہیں- اگر انسپکٹر جمشید کو مجھے گرفتار کرنے کی ضرورت ہے تو وہ خود میرے پاس آئیں گے- مجھے ان کے پاس آنے کی قطعاً ضرورت نہیں- اور اب بس۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی آواز بند ہو گئی- عرفان مجید کے چہرے پر سیاہی دوڑ گئی-

"دیکھا عرفان مجید- گناہ کی زندگی اور جرائم کی زندگی انسان کو کس طرح دھوکا دیتی ہے- چھوڑ دیا نہ تمھیں مصیبت میں۔"

"ہاں! میں موناکا کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔"

"اب تم ہمارا ساتھ دے کر دیکھو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ موناکا کے بارے میں جو کچھ جانتے ہو، بتاتے چلے جاؤ- میں تمھارے کام آؤں گا- اور سزا بہت کم ملے گی تمھیں۔"

"افسوس- میں تمھاری معلومات میں کچھ بھی اضافہ نہیں کر سکتا- اس کے بارے میں کوئی بھی کچھ نہیں جانتا- اس کا اصلی چہرہ آج تک شاید کسی نے بھی نہیں دیکھا۔"

"پُرانے گھاٹ پر وُہ کس جگہ ملے گا؟"

"مجھے یہ بھی نہیں معلوم۔"

"وائرلیس سیٹ پر اس سے پہلے کسی اور کی آواز سُنائی دی تھی۔ وُہ کس کی آواز تھی؟"

"میں نہیں جانتا، تاہم جب مونا کا موجود نہیں ہوتا تو اس کی آواز سُنائی دیتی ہے۔"

"گویا کم از کم ایک آدمی ایسا ضرور ہے۔ جو یہ جانتا ہے کہ مونا کا کہاں مل سکتا ہے، لیکن ہم نہیں جانتے وُہ کون ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"خیر۔ مَیں پُرانے گھاٹ جاؤں گا۔ دیکھا جائے گا۔ مسٹر رامل کو۔ ہم عرفان مجید کا کیا کریں۔ میں فی الحال اسے پولیس کے حوالے نہیں کرنا چاہتا۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے۔ مونا کا اسے وہاں سے واقعی چھڑا لے۔"

"تب پھر۔" رامل کو نے کہا۔

"میرے اپنے مُلک میں تو اس قسم کا انتظام ہے۔ خیر۔ دُوسرا طریقہ سہی۔ اسے ہم آپ کے گھر میں رکھیں گے، آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"جی۔ جی نہیں۔ اعتراض کیسا۔ لیکن کہیں یہ میرے بیوی

بچوں کو کسی مصیبت میں نہ ڈال دے۔"

"فکر نہ کریں۔ مَیں اس کا بندوبست کر دوں گا۔"

اور وُہ عرفان مجید کو لے کر رامل کو کے گھر پہنچے۔ ایک الگ کمرے میں اسے باندھ کر ڈال دیا گیا۔ انسپکٹر جمشید نے اسے اپنے ہاتھ سے باندھا۔ کمرے کے دروازے پر تالا لگا دیا۔ اور پھر گھر کے افراد کو ہدایات دے کر وہاں سے نکل آئے:

"اب ہم پُرانے گھاٹ جائیں گے۔"

انسپکٹر جمشید نے مُسکرا کر کہا۔

۳

گولی ماریے

"کیا مطلب - کیا آپ بغیر کسی تیاری کے پُرانا گھاٹ جائیں گے؟" راحل کو نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"نہیں - تیاری ضرور کی جائے گی - لیکن اگر تیاری سے آپ کی مُراد فوج وغیرہ ساتھ لے جانے سے ہے تو مَیں اس کے حق میں نہیں ہوں۔" انھوں نے پُرسکون انداز میں کہا۔

"آپ کا مطلب ہے - آپ اپنے ساتھ کسی کو نہیں لے جائیں گے۔"

"صرف آپ کو - وُہ بھی پُرانا گھاٹ تک رہنمائی کے لیے - جس جگہ سے مقابلہ شروع ہونے کا امکان ہوگا - اس جگہ آپ کو بھی نہیں لے جائیں گے۔"

"آپ کو شاید معلوم نہیں - پرانا گھاٹ کتنی بڑی جگہ ہے - اور اس میں کتنے لوگ رہتے ہیں۔"

"ہمیں ان سے کیا - ہم تو صرف موناکا سے دو دو ہاتھ

کریں گے۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" راحل کو نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس بستی کے سب لوگ موناکا کے ساتھی ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے - اور آپ کو یہ بات معلوم بھی ہے تو پھر اس بستی کے لوگوں کو آج تک گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟"

"گرفتار کرنے کے لیے کوئی ثبوت بھی تو پاس ہونا چاہیے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"چھاپہ تو مارا جا سکتا ہے۔"

"چھاپے تو نہ جانے کتنی بار مارے جا چکے ہیں، لیکن برآمد کچھ نہیں ہو سکا آج تک۔"

"ہوں - تو یہ بات ہے" انھوں نے سوچ میں گم لہجے میں کہا -

"کیا بات ہے؟"

"پولیس میں بھی موناکا کے کچھ لوگ موجود ہیں - یا وُہ انھیں ماہانہ بڑی رقم ادا کرتا ہے - جو اس کو پہلے ہی اطلاع دے دیتے ہیں کہ چھاپہ مارا جانے والا ہے - اور وُہ لوگ اپنے خلاف ہر ثبوت ختم کر دیتے ہیں۔"

"لیکن ابّا جان - اس سے پہلے تو یہ بات سننے میں آئی

تھی کہ موناکا تنہا کام کرنا پسند کرتا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"یہی بات ہے۔ وہ خاص کام خود کرتا ہے۔ معمولی قسم کے کام اپنے ساتھیوں سے لیتا ہے۔ پرانے گھاٹ کے لوگ بھی فرضی طور پر یا نمائشی طور پر موناکا کے ساتھی بن گئے ہیں۔ جب کہ ایسی کوئی بات نہیں۔" رامل کو نے جواب دیا۔

"مہربانی فرما کر اپنی بات کی وضاحت کریں۔"

"یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ موناکا پرانے گھاٹ میں کہیں رہتا ہے۔ بس جرائم پیشہ لوگوں نے پرانے گھاٹ میں آباد ہونا شروع کر دیا۔ اور آہستہ آہستہ ان گنت جرائم پیشہ وہاں آباد ہو گئے۔ اب اگرچہ موناکا کا ان میں سے بیشتر سے کوئی تعلق نہیں، لیکن یہ لوگ آپس میں پڑوسی تو ہیں ہی اور پڑوسی پڑوسی کا ساتھ دیا ہی کرتا ہے۔ جب کہ وہ ہم پیشہ بھی ہوں۔ اس طرح اگرچہ وہ اس کے ساتھی نہیں ہیں، لیکن پھر بھی ساتھی ہیں اور اس کے لیے کام بھی کرتے ہیں۔"

"ہوں۔ ہم سمجھ گئے۔ پہلی بات تو یہ کہ مجھے پرانے گھاٹ کا ایک عدد نقشہ چاہیے۔ دوسرے یہ کہ ایک عدد

بلٹ پروف کار مل جائے، کیوں کہ موناکا اور کچھ کرے نہ کرے، وہ اپنے پڑوسیوں کو ہم پر حملہ کرانے کے لیے ضرور کہے گا۔ ہمیں اس بے ہنگم ہجوم سے شاید مقابلہ کرنا پڑ جائے۔"

"میں ان چیزوں کا انتظام کیے دیتا ہوں۔ فکر نہ کریں۔"

وہ اپنے ہوٹل پہنچے۔ وہاں انسپکٹر جمشید تو پرانے گھاٹ کے نقشے پر جھک گئے۔ رامل کو انتظام کرنے چلا گیا اور محمود، فاروق اور فرزانہ اپنی تیاری میں لگ گئے۔ ایسے موقعوں پر وہ اپنی الگ تیاری کرنے کے عادی تھے۔ اور ان کی تیاری عجیب و غریب ہوتی تھی۔

اچانک بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ اور پھر میجر فارا اور ایس پی جلاور ان کے کمرے میں داخل ہوئے، دونوں کے چہروں پر گھبراہٹ کے آثار تھے:

"رامل کو کے ذریعے آپ کے پروگرام کا پتا چلا۔ یہ پروگرام موت کے منہ میں جانے کے برابر ہے۔ ہم آپ کو ہرگز مشورہ نہیں دیں گے۔"

"فکر نہ کریں۔ ہم ایسے پروگرام کے عادی ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں۔ ہمارے سارے شہر کو

بھی مسئلہ ہے۔ اور اس بنا پر آپ کو اجازت نہیں دی
جا سکتی۔" میجر جلاور بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"پورا پرانا گھاٹ شہر کے لوگوں پر ہلّہ بول دے گا۔
پہلے بھی ایک دو مرتبہ انھیں چھیڑا جا چکا ہے۔ اور انھوں
نے جواب میں یہی کارروائی کی۔ بہت نقصان ہوا۔ اَن گنت
لوگ مارے گئے۔ عمارتیں جلا دی گئیں۔ توڑ پھوڑ مچائی گئی۔
لہٰذا اب ہم ان لوگوں کو نہیں چھیڑتے۔ ہاں اگر اِدھر اُدھر
کسی واردات کے سلسلے میں کوئی ہمارے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو
اس کو چھوڑتے نہیں۔"

"تب تو آپ آگ سے کھیل رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے
فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"جی۔ کیا مطلب؟"

"یہ لوگ آہستہ آہستہ طاقت پکڑتے جائیں گے، پھر ان
کی طاقت ہر شہر میں ہو جائے گی۔ اور اس وقت معاملہ
آپ لوگوں کے بس کا نہیں رہے گا۔ پھر یہ ہر طرف دندناتے
پھریں گے اور آپ ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ آج
آپ چھوٹے نقصان سے ڈرتے ہیں۔ پھر بڑا نقصان برداشت
کرنا پڑے گا۔"

کمرے میں گہری خاموشی طاری ہو گئی۔ میجر جلاور اور
آئیس پل غارا گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ آخر میجر جلاور نے
کہا:

"آپ کے خیالات درست ہیں، لیکن ہمیں اوپر کے آرڈرز
یہی ہیں کہ ان لوگوں کو نہ چھیڑا جائے۔"

"آپ کی مرضی۔ لیکن پھر میں موناکا کو کس طرح گرفتار
کروں۔ وہ تو پُرانا گھاٹ میں ہی کہیں رہتا ہے۔"

"موناکا کی حد تک آپ کو اجازت ہے۔ آپ کا جو جی
چاہے کریں گے۔"

"آپ خود سوچیں۔ جب میں پُرانا گھاٹ کا رُخ کروں
گا تو وہ میرے مقابلے پر اپنے پڑوسیوں کو لائے گا۔
اور پھر پڑوسی کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"تب پھر آپ گورنر صاحب سے بات کریں۔ ہم ان کی
اجازت کے بغیر اس معاملے میں کوئی اقدام نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ میری ان سے ملاقات کا بندوبست کرا
دیں۔"

دو گھنٹے بعد وہ گورنر صاحب کے سامنے بیٹھے تھے۔ اور
اپنی تجویز ان کے سامنے رکھ چکے تھے۔ گورنر صاحب بہت دیر
تک سوچ میں گم رہے، پھر بولے:

"اس کے لیے صدر صاحب سے بات کرنا پڑے گی۔"

"تو پھر کیجیے۔"

"آپ اس وقت جائیں۔ میں آپ کو فون کر دوں گا۔"

"لیکن ذرا جلدی کیجیے گا۔ ایسا نہ ہو۔ مونا کا فرار ہونے کی سوچ لے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ آپ ہمارے مُلک کی بہتری کی بات سوچ رہے ہیں، ہمیں بھی آپ کا خیال کرنا چاہیے۔" انھوں نے کہا اور وہ اُٹھ کر چلے آئے۔

"اب کیا ہوگا ابّا جان۔"

"پتا نہیں۔ حالات عجیب سے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے سب لوگ یہ چاہتے ہوں کہ پُرانا گھاٹ کے لوگوں کو نہ چھیڑا جائے۔"

"اور ایسا کرکے یہ لوگ ایک بڑی مصیبت کی تیاری کر رہے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! بالکل۔ اللہ ان کو عقل دے۔"

دو گھنٹے اور گزر گئے۔ تب کہیں جا کر گورنر صاحب کا فون ملا۔ وہ کہہ رہے تھے:

"انسپکٹر جمشید صاحب۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ ہم سب آپ کی عزت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ آپ کے مُلک

سے ہمارے بہت خوش گوار تعلقات ہیں، لیکن پرانے گھاٹ کا معاملہ بہت اُلجھا ہوا ہے۔ ہم اس وقت اپنے شہر کو آگ اور خون کے حوالے نہیں کر سکتے۔ اس لیے آپ اپنے پروگرام پر عمل نہ کریں۔ یہی ہمارا مشورہ ہے۔ صدر صاحب نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔ اور آپ اسے حکم بھی سمجھ سکتے ہیں۔"

انسپکٹر جمشید سناٹے میں آ گئے۔ ان کا چہرہ اُتر گیا۔ فون کا ریسیور رکھ کر انھوں نے خالی خالی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا:

"شش۔ شاید انکار ہو گیا۔" فرزانہ ہکلائی۔

"ہاں!" وہ بولے۔

"اب۔ اب کیا ہوگا۔ آپ مونا کا پر کس طرح ہاتھ ڈالیں گے۔" محمود نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"کاش یہ حالات ہمارے مُلک میں پیش آئے ہوتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں کسی کی نہ سنتا۔ صدر صاحب بھی مجھے رُکنے کا حکم دیتے تو بھی نہ رُکتا۔"

"اوہ!" رامل کو کے منہ سے نکلا۔

"مسٹر رامل کو۔ آپ کے خیالات کیا ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے اس

کی طرف دیکھا۔

"وُہی جو آپ کے۔" اس نے کہا۔

"سب سے بڑی اُلجھن یہ ہے کہ ہم موناکا کا کیا کریں ۔ وُہ تو پرانا گھاٹ میں ہر طرح محفوظ ہے۔"

"کوئی ایسی ترکیب۔ کہ پُرانا گھاٹ کے لوگوں کو چھیڑے بغیر موناکا سے آمنا سامنا ہو جائے۔" محمود بولا۔

"ہاں! واقعی۔ کوئی ایسی ترکیب ہونی چاہیے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"فرزانہ اپنی عقل کو آواز دو۔"

"آواز دیے بغیر ہی بتائے دیتی ہوں۔" اس نے مُسکرا کر کہا۔

"جلدی کہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"عرفان مجید کے گھر سے اس وائرلیس سیٹ پر موناکا سے رابطہ قائم کریں ۔ اور اسے مقابلے کے لیے للکاریں ۔ کہ پُرانا گھاٹ سے باہر آ کر دو دو ہاتھ کرے ۔ کیا عورتوں کی طرح چھپ کر بیٹھ گیا ہے۔"

"ہوں! بات ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وُہ عرفان مجید کے گھر پہنچے۔ وائرلیس سیٹ کا بٹن دبایا اور ہیلو ہیلو کرنے لگے ، آخر جواب میں کہا گیا :

"ہیلو۔ کون؟"

"نمبر دو کے گھر سے۔"

"اوہ۔ انسپکٹر جمشید ہیں۔" دُوسری طرف سے موناکا کی آواز سُنائی دی۔

"ہاں! یہاں کے حکام پرانا گھاٹ کی طرف جانے کی مجھے اجازت نہیں دے رہے۔ تم باہر کیوں نہیں آ جاتے؟"

"مجھے کیا ضرورت ہے ۔ مُفت کی لڑائی مول لینے کی۔" اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے ۔ تم میں بہادری کے جراثیم بالکل نہیں ہیں۔"

"گولی ماریے بہادری کے جراثیم کو۔ میں چالاکی کے جراثیم کو پسند کرتا ہوں۔" وُہ ہنسا۔

"اور شاید بزدلی کے بھی۔"

"آپ کہہ سکتے ہیں۔ میں بُرا نہیں مانا کرتا۔"

"خیر۔ کیا تم چاہتے ہو۔ ہم واپس چلے جائیں۔"

"چلے جاؤ۔ مجھے کیا۔ مائیکرو فلم تم لوگوں کو مجھ سے حاصل کرنا تھی ۔ مجھے نہیں۔"

"مقصد کیا تھا وُہ فلم حاصل کرنے کا؟"

"دولت حاصل کرنا۔ اور وُہ مجھے انشارجہ سے مل رہی ہے۔"

"گویا تم نے وہ فلم ابھی ان کے حوالے نہیں کی؟"

"نہیں ۔ لیکن بہت جلد کر دوں گا۔"

"بڑے مجرموں کے منہ سے جھوٹ اچھا نہیں لگتا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟"

"چور اچکے قسم کے لوگ بولا کرتے ہیں جھوٹ کو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں انسپکٹر؟" اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔

"تم وہ فلم انشارجہ کے حوالے کر چکے ہو۔"

"اور یہ اندازہ تم نے کس طرح لگایا؟"

"تمھارے لہجے سے جس سے جھوٹ کی بو صاف آ رہی تھی۔"

"ہاں! تمھارا خیال ٹھیک ہے ۔ میں واقعی انشارجہ کو وہ فلم دے چکا ہوں ۔ بلکہ اگر کہیں تو ایک بات اور کہتا چلوں؟" اس نے کہا۔

"تم کہو تو وہی بات میں بتا دوں ۔ جو تم مجھ سے کہنا چاہتے ہو۔"

"یہ ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ آپ کو کیا معلوم کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں؟"

"اگر میں اتنا اندازہ بھی نہ لگا سکوں تو پھر اس پیشے

میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"اوہ ۔ میں سنوں گا ۔ بتائیں۔"

"تم نے ان رازوں کی فلم نہ صرف انشارجہ کو ۔ بلکہ بیگال اور ونٹاس کو بھی فروخت کی ہے۔"

"کیا!" موناکا چیخ اٹھا ۔ اور پھر اس نے وائرلیس سیٹ بند کر دیا۔

دو دو ہاتھ

"اوہ! تو یہ شخص اصل میں یہ کام کرتا ہے۔" فاروق نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں!" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس کا مطلب ہے۔ ہم نے اس کے مقابلے میں بہت بُری طرح شکست کھائی ہے۔"

"ابھی یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیوں ابا جان۔ ہمارے مُلک کے نہایت قیمتی راز ان بڑی طاقتوں اور دُشمن طاقتوں کے ہاتھ لگ چکے ہیں۔ اور ان سے واپس لینے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ انھوں نے اس کی کاپیاں فوری طور پر تیار کروا لی ہوں گی اور اِدھر اُدھر پھیلا دی ہوں گی۔ ان حالات میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہم بُری طرح شکست کھا چکے ہیں۔ اور پھر ہم ابھی تک موناکا کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے۔"

"چلو خیر۔ یُوں ہی سہی۔ لیکن ہم موناکا کو اتنا سستا تو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اس تک ضرور پہنچیں گے۔ چاہے یہاں کی حکومت اجازت دے، نہ دے۔ ساتھ دے، نہ دے۔"

"اور ہم اسے پُرانے گھاٹ میں تلاش کس طرح کریں گے؟"

"جیسے بھی بن پڑا۔ تلاش کریں گے۔"

"لیکن کیسے۔ کسی کو نہیں معلوم۔ موناکا کون ہے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو۔" وُہ مُسکرائے۔

تینوں نے ایک ساتھ ان کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"اور وُہ یہ کہ موناکا تین دن ہمارے گھر میں گزار چکا ہے۔"

"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اس نے کئی جگہوں پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑے ہیں۔ اور وُہ نشانات میرے پاس موجود ہیں۔ یہ موناکا کی پہلی شکست ہے کہ وُہ ہمارے گھر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ آیا۔ وُہ مجرم جس نے کہیں بھی اپنا کوئی سُراغ نہیں چھوڑا۔ اور جس کی وجہ سے یہاں کی پوری حکومت پریشان ہے۔ کیوں کہ اس کے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ اور وُہ میرے پاس اپنا نشان چھوڑ جائے۔ یہ اس کی شکست

نہیں تو اور کیا ہے۔"

"اس کے باوجود۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ آخر آپ پرانا گھاٹ کے کس کس آدمی کی انگلیوں کے نشانات چیک کریں گے۔ یہ ہمارا ملک نہیں۔" فرزانہ نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"ہوں! آؤ چلیں۔ تم تینوں تو مل کر مجھے بھی الجھائے دے رہے ہو۔"

"اب کہاں جانا ہے۔ فرزانہ کی ترکیب تو ہو گئی فیل۔" فاروق مسکرایا۔

"ہم پرانا گھاٹ چلیں گے۔ مسٹر رامل کو۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"میں آپ کو کس طرح اجازت دے سکتا ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تب پھر آپ ہماری طرف سے فارغ ہیں۔ اب ہم اپنا سفر خود طے کریں گے۔"

"اور میں دفتر میں حاضر ہو کر آپ کے ارادوں کی اطلاع دوں گا۔ کیوں کہ یہ میرا فرض ہے۔" رامل کو نے سرد آواز میں کہا۔

"ضرور۔ آپ اپنا فرض پورا کریں، ہم اپنا۔ اگر مونا کا

"میرے وطن سے راز چرانے کی واردات کر کے نہ آیا ہوتا تو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ اور اس کے محلے دار ملک کے لیے کتنا بڑا خطرہ بن چکے ہیں۔ میں سمجھاتا ضرور اور پھر چپ چاپ واپس ہو جاتا۔ لیکن اب مشکل یہ ہے کہ وہ ہمارا اور ہمارے ملک کا بھی برابر کا مجرم ہے۔ اور میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔"

"تب تو مجھے فوراً دفتر کا رخ کرنا چاہیے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"اور ہم فوراً پرانا گھاٹ کا رخ کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ باہر نکلے۔ رامل کو بوکھلاہٹ کے عالم میں اپنی جیپ لے کر بھاگ نکلا۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے ایک ٹیکسی پکڑی۔ اب نمبر ۱۳ بھی ان کے ساتھ تھا۔ انسپکٹر جمشید نے ڈرائیور سے کہا:

"آپ ہمیں پرانا گھاٹ کتنی دیر میں پہنچا سکتے ہیں؟"

"جج ۔ جی پرانا گھاٹ۔" وہ گھبرا گیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم آپ کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ آپ ہمیں پہنچا کر لوٹ آئیے گا۔"

"ضرور جناب کیوں نہیں۔ میں صرف بیس منٹ میں

پہنچا سکتا ہوں۔"

"کوئی اور مختصر راستہ۔ بھئی بل کی فکر نہ کریں۔ بل ہم آپ کو آپ کی مرضی کے مطابق ادا کریں گے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ دیں گے۔"

"پرانا گھاٹ کو کئی راستے جاتے ہیں۔ لیکن نزدیک پہنچنے کے بعد سب راستے ایک سڑک پر آ کر مل جاتے ہیں۔ کیوں کہ اس کے بعد پرانا گھاٹ ہے اور پرانا گھاٹ سے آگے سمندر۔"

"مختصر ترین راستے سے لے چلیں۔ ہم بہت جلدی میں ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ فکر نہ کریں۔ اب میں دس منٹ لگاؤں گا۔" ڈرائیور بولا۔

"بھئی واہ۔ اس سے اچھی کیا بات ہو گی۔"

اور ٹیکسی چل پڑی۔

"رامل کو وائرلیس کے ذریعے اطلاع دے چکا ہو گا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"پروا نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے۔

دس منٹ بعد وہ اس سڑک تک پہنچ گئے جو پرانا گھاٹ کی اکلوتی سڑک تھی۔ اور یہ دیکھ کر ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے کہ وہاں ایک پولیس جیپ کھڑی تھی اور جیپ کے

آگے ایک شخص ٹانگیں پھیلائے تنا کھڑا تھا۔ انھوں نے دور سے ہی دیکھ لیا۔ وہ ایس پی غارا تھا۔ ادھر ان کے ٹیکسی ڈرائیور نے کہا:

"بس جناب۔ اس سے آگے میں ٹیکسی نہیں لے جا سکتا۔"

"کیا پولیس جیپ کی وجہ سے؟" محمود نے منہ بنایا۔

"جی نہیں۔ یہ پولیس جیپ یہاں نہ کھڑی ہوتی، تب بھی میں یہی کہتا۔"

"آخر کیوں؟"

"آگے صرف اس بستی والے ہی ٹیکسی لے جا سکتے ہیں۔ کیا آپ یہاں رہتے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" وہ بولے۔

"تو پھر میں آگے نہیں جا سکتا۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

وہ نیچے اتر آئے۔ بل ادا کیا اور ایس پی غارا کی طرف بڑھے۔ اس نے دور سے ہی پکار کر کہا:

"اپنی ٹیکسی کو فارغ نہ کریں۔ آپ کو یہیں سے لوٹنا ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور نے بھی یہ الفاظ سن لیے۔ وہ واپس جاتے جاتے رک گیا۔

"کیوں جناب۔ کیا میں ٹھہروں؟"

"نہیں۔ آپ جائیں۔ اگر ہمیں واپس جانا پڑا تو پولیس جیپ میں بھی جا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے آہستہ آواز میں کہا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے انھیں حیران ہو کر دیکھا اور پھر ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ پھر وہ اس میں بیٹھ گیا۔ جوں ہی ایس پی غارا نے ٹیکسی کو جاتے دیکھا۔ وہ پھر پکارا:

"ارے ارے۔ ٹیکسی کو روک لیں۔ یہاں سے شہر کا فاصلہ بہت زیادہ ہے۔ کس طرح واپس جائیں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں ایس پی صاحب۔ ہم چلے جائیں گے، آپ یہ فرمائیے۔ یہاں آپ کیسے نظر آ رہے ہیں؟"

"رائل کو نے اطلاع دی ہے کہ آپ پرانا گھاٹ کا رُخ کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"وُہ تو میں کر بھی چکا۔" وہ مسکرائے۔

"کیا آپ کو ہدایات نہیں ملیں۔"

"ہاں! بالکل مل چکی ہیں۔ ہدایات۔ لیکن ان کے باوجود مجھے پُرانا گھاٹ میں داخل ہونا ہے۔"

"لیکن ہم آپ کی حکومت کو کیا جواب دیں گے۔ ہم انھیں ان کا انسپکٹر جمشید کہاں سے دیں گے۔"

"کیوں۔ یہ کیا مشکل ہے۔"

"پرانا گھاٹ سے آپ لوگ زندہ تو واپس لوٹ نہیں

سکیں گے، پھر مصیبت ہمیں پڑے گی۔"

"پروا نہ کریں۔ میں ایک تحریر لکھ کر آپ کو دے دیتا ہوں۔ پھر آپ کو کوئی مصیبت محسوس نہیں ہو گی۔"

"نہیں جناب۔ آپ یہاں سے آگے نہیں جا سکیں گے۔ میں اعلیٰ حکام سے بھی اس بات کی اجازت لے چکا ہوں کہ اگر آپ زبردستی ان حدود میں داخل ہونے کی کوشش کریں تو آپ کو گرفتار کر لیا جائے، کیوں کہ ہم اپنے شہر بلکہ مُلک کا امن و امان تباہ نہیں کر سکتے۔"

"اور میں اس مُلک کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ آپ ایک ہولناک تباہی کی طرف بڑھ رہے ہیں، لیکن آپ اس بات کو محسوس نہیں کر رہے۔ محسوس اس وقت کریں گے جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہو گا۔"

"میرا کام یہ باتیں سوچنا نہیں۔ میرا کام تو یہ ہے کہ معاشرے میں امن و امان قائم ہو۔ اور بس۔"

"لیکن یہ امن و امان اس وقت کس طرح قائم رہے گا۔ جب یہ لوگ شہر پر ٹوٹ پڑیں گے۔"

"کیوں ٹوٹ پڑیں گے، جب ہم ان کو چھیڑیں گے ہی نہیں۔" ایس پی غارا نے جھلا کر کہا۔

"آپ کے ساتھ اور کوئی نظر نہیں آ رہا۔"

"جلدی میں کسی کو ساتھ نہیں لا سکا۔ میرے ماتحت پہنچنے ہی والے ہوں گے۔ مجھے خوف محسوس ہوا تھا کہ کہیں آپ پرانا گھاٹ میں داخل نہ ہو جائیں۔"

"اچھا! آپ میری ایک بات کان میں سن لیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کان میں۔ کیا مطلب؟"

"کان کا مطلب پوچھ رہے ہیں آپ۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" ایس پی غارا نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"ایک بہت خاص بات۔"

یہ کہ کر انسپکٹر جمشید آگے بڑھ گئے۔ ایس پی غارا ان کی طرف الجھن کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ پھر جوں ہی انسپکٹر جمشید اس کے نزدیک پہنچے۔ ایک بھر پور مکا اس کی ٹھوڑی پر لگا۔ وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا:

"شاید یہ بھی موناکا سے ماہانہ وصول کرتا ہوگا۔ خیر۔ آؤ بھئی جلدی کرو۔"

وہ فوراً پولیس جیپ میں سوار ہو گئے اور جیپ اکلوتی سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔ انھوں نے دیکھا، ایس پی غارا

اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ نے یہ کیا کیا ابا جان؟"

"اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔"

"لیکن اب ہم نے اپنے دو دشمن بنا لیے۔ بلکہ تین۔ موناکا۔ موناکا کے پڑوسی۔ اور یہاں کی پولیس۔"

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں غرض صرف موناکا سے ہے۔ ایک بار وہ ہمارے ہاتھ لگ جائے۔ پھر میں اس کے محلے داروں اور پولیس کو ٹھینگا دکھا سکتا ہوں۔"

جیپ آگے بڑھتی چلی گئی۔ اچانک آگے سڑک بند نظر آئی۔ لوہے کا ایک جنگلا سڑک پر نظر آیا۔ جیپ کی رفتار آہستہ ہونے لگی۔ جنگلے کے دائیں بائیں دو رائفل بردار کھڑے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے جیب سے پستول نکال لیا:

"تیار ہو جاؤ بھئی۔ جنگ کا آغاز ہوتا ہے۔"

"جی بہتر۔ کیا ہم گولیاں چلانے کے لیے آزاد ہیں۔"

"بالکل! ان لوگوں کو ختم کرنا ثواب کا کام ہے۔ یہ لوگ پوری دنیا کے لیے خطرہ ہیں۔ صرف یہاں کے لیے ہی نہیں۔ اور ان کا سربراہ موناکا ہے۔"

"جی کیا فرمایا۔ سربراہ۔" محمود حیران رہ گیا۔

"ہاں! بظاہر میں وہ ان کا پڑوسی ہے۔ لیکن میرا خیال

ہے۔ وُہ دراصل ان کا سربراہ ہے۔ اور یہ لوگ اس کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔"

"اوہ۔ تب تو۔ واقعی یہ لوگ ایک دن بہت بڑا خطرہ بن جائیں گے۔"

"ہاں! لہٰذا ان کی بستی میں ہم ہل چل مچا دیں گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کے پستول سے دو گولیاں نکلیں اور۔ دونوں رائفل بردار تڑپنے لگے۔ انسپکٹر جمشید جلدی سے نیچے اُترے۔ جنگلے کو ایک طرف کیا اور پھر جیپ نکال لے گئے۔ اب رہائشی عمارات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فائروں کی آوازوں نے لوگوں کو گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ انسپکٹر جمشید اندھا دھند انداز میں گولیاں برساتے آگے بڑھنے لگے۔ اب تو محمود، فارُوق، فرزانہ اور نمبر تیرہ بھی نہ رہ سکے، انھوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ جیپ بلٹ پروف تھی۔ ان کے لیے حد درجے آسانی تھی۔ جب بستی والوں نے دیکھا کہ ان کی گولیاں جیپ پر لگ لگ کر اچٹ رہی ہیں۔ اور جیپ والوں کا کچھ نہیں بگڑتا۔ بلکہ ان کے آدمی تڑا تڑ گر رہے ہیں تو وُہ اور بھی غصے میں آ گئے۔ ہر طرف ایک قیامت کا سماں نظر آنے لگا۔ ادھر جیپ کی رفتار حد درجے تیز تھی۔ اس کے سامنے آنے کی کوئی کوشش نہ کر سکا۔ آخر

ایک ٹرک سڑک پر کھڑا نظر آیا۔ گویا انھیں روکنے کے لیے ٹرک کو آگے لایا گیا تھا۔ سڑک اتنی چوڑی نہیں تھی کہ دائیں بائیں سے جیپ نکال لے جاتے۔ اچانک انھیں نئی سوجھی۔ جیپ کو بریک لگائے اور پھر تیزی سے پیچھے لے جانے لگے، پھر جیپ کو سڑک سے اُتار کر درختوں کے درمیان سے آگے بڑھنے لگے۔ یہ دیکھ کر ٹرک حرکت میں آیا اور پیچھے ہٹ کر سڑک سے نیچے اترنے لگا۔ گویا وُہ درختوں کے درمیان ان کا راستا روکنا چاہتا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے نشانہ لیا اور اس کے ٹائر پر فائر کر دیا۔

ٹائر ایک دھماکے سے پھٹا۔ اور ٹرک لڑکھڑانے لگا۔ اس میں غنڈے بھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے بھی جیپ پر گولیاں برسائیں، لیکن جیپ کا کچھ بھی نہ بگڑا۔

"بھئی واہ۔ مزا آ گیا۔ اگر ہمیں یہ جیپ نہ ملتی تو کیا ہوتا ابا جان۔"

"تب پھر وُہی ہوتا جو اللہ کو منظور ہے۔" وُہ مسکرائے۔

اچانک انھوں نے شور کی آواز سُنی۔ سیکڑوں لوگ ہاتھوں میں لاٹھیاں، بھالے، نیزے اور تلواریں اٹھائے دوڑے چلے آ رہے تھے۔ انھوں نے جیپ کو موڑا اور واپس چلانے لگے۔

"یہ کیا کر رہے ہیں ابّا جان — آپ تو بھاگ نکلے۔"

"نہیں — میں بھاگ نہیں رہا — یہ جنگی حکمتِ عملی ہے۔"

انھوں نے کہا —

جیپ کی رفتار درختوں کی رکاوٹ کے باوجود بہت تیز تھی — اور انھیں ہر آن یُوں لگ رہا تھا کہ اب کسی درخت سے ٹکرائے اور اب ٹکرائے —

اب وُہ ہجوم سے اس قدر دُور آ گئے کہ ہجوم دکھائی دینا بند ہو گیا —

"آؤ — اب جیپ سے اُتر چلو۔"

"جی — جیپ سے اُتر چلیں — اس طرح تو ہم ان کی گولیوں کا نشانہ بن جائیں گے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا —

"نہیں بنیں گے — بس دیکھتے جاؤ — ہمیں تو دراصل موناکا کی تلاش ہے۔"

انھوں نے جیپ سے چھلانگیں لگا دیں — اور فوراً درختوں کی اوٹ میں ہو گئے — پھر درختوں کی اوٹ لیتے ہوئے بستی کی طرف بڑھنے لگے، لیکن اس طرح کہ جیپ سے دُور ہٹتے گئے — گویا وُہ ایک چکر کاٹ رہے تھے — ادھر ہجوم جیپ کی طرف بڑھ رہا تھا — ان سب کی نظریں جیپ پر تھیں — جیپ سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر پہلے تو انھوں

نے جیپ پر فائر کیے، پھر اسے خالی پا کر بے خوف اس کی طرف دوڑ پڑے — جیپ کو گھیرے میں لے لیا گیا — اب اس پر لاٹھیاں برسنے لگیں — نیزے اور بھالے لگنے لگے —

ادھر وُہ اپنا کام کر رہے تھے — بدستور آبادی کی طرف بڑھ رہے تھے — کسی نے درختوں کی طرف توجہ نہیں دی — وُہ سب تو یہی سوچ رہے تھے کہ وُہ جیپ سے اُتر کر بھاگ نکلے — شاید جیپ میں کوئی خرابی ہو گئی ہو گی — یا تیل ختم ہو گیا ہو گا —

آبادی کے نزدیک پہنچ کر وُہ ایک بہت گھنے درخت پر چڑھ گئے اور اس کی شاخوں میں چھپ گئے — جیپ کی طرف سے اب بھی بے ہنگم شور کی آواز سُنائی دے رہی تھی —

ایسے میں ایک آواز اُبھری اور اس آواز کو سُن کر وُہ بُری طرح چونکے — آواز موناکا کی تھی —

"یہ کیا کر رہے ہو بے وقوفو۔"

شور رُک گیا — انھوں نے ایک لمبے آدمی کو مجمعے کی طرف بڑھتے دیکھا — مجمع اب ساکت کھڑا تھا — انھوں نے دیکھا — لمبے آدمی کے منہ پر ایک عجیب سا نقاب تھا —

"باس — یہ — یہ جیپ۔"

"ہاں! میں دیکھ رہا ہُوں — یہ جیپ ہے — لیکن تم اس

کو توڑ پھوڑ کیوں رہے ہو؟
"بب- باس - کیا آپ نے فائرنگ کی آوازیں نہیں سُنیں،
پتا نہیں انھوں نے ہمارے کتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ
اُتار دیا ہے۔"
"لیکن یہ جیپ تو پولیس کی ہے- اور پولیس میں اتنی جرأت
کہاں کہ یہاں داخل ہو سکے۔"
"وُہ- وُہ پولیس والے ہرگز نہیں تھے- ان کے ساتھ دو
لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔"
"اوہ- تو یُوں کہو- انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے آئے تھے
اس جیپ پر- لیکن پولیس نے انھیں جیپ کس طرح دے دی،
پولیس یہ کام نہیں کر سکتی- ضرور انھوں نے خود جیپ
حاصل کی ہوگی- پھر کیا تم نے ان کو پکڑ لیا- اب وُہ
کہاں ہیں؟"
"وُہ بھاگ نکلے- اتنے بہت سے آدمیوں کو دیکھ کر ان کے
اوسان خطا ہو گئے۔"
"ہل- لیکن وُہ پیدل کیوں بھاگے- اس جیپ میں کیوں
فرار نہیں ہوئے۔" موناکا کے لہجے میں اُلجھن تھی۔
"جی- شاید جیپ میں کوئی خرابی ہو گئی تھی- یا تیل ختم ہو
گیا ہوگا۔"

"تمھارے دماغوں کا تیل ختم ہو گیا ہے۔" موناکا نے جل کر کہا۔
"یہ- یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔"
"احمقو- وُہ یہیں کہیں چھپے ہوئے ہیں- انھیں تلاش کرو
اور پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔"
"اوہ- اوہ- بہت بہتر سر۔" بے شمار آوازیں اُبھریں-
موناکا واپس مُڑا- اور پُرسکون انداز میں قدم اُٹھانے لگا-
ان کے دل دھک دھک کرنے لگے-
"تم درخت پر ہی موجود رہو- مَیں اس کے تعاقب میں
جاتا ہُوں- تاکہ معلوم ہو- اس کی رہائش کون سی ہے۔" انھوں
نے سرگوشی کی-
"لیکن ہم درخت پر رہ کر کیا کریں ابّا جان۔" فاروق نے
بھی دبی آواز میں کہا-
انھوں نے موناکا کو چونک کر رُکتے دیکھا-

چھلانگ

وہ بالکل ساکت ہو گئے۔ مونا کا چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ درختوں کو بھی دیکھ رہا تھا۔ شاید اس کے کان بھی فرزانہ کی طرح بہت تیز تھے۔ اور اس نے ان کی سرگوشی سُن لی تھی۔ ان کے دل اور تیز دھڑکنے لگے۔ پھر دل اُچھل کر گویا حلق میں آ گئے۔ کیوں کہ مونا کا کی نظریں اسی درخت پر جم گئی تھیں۔ اور اس کی شاخوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"تت۔ تو۔ آپ لوگ۔ اس درخت پر چھپے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے منہ کے گرد ہاتھ رکھ کر اپنے ساتھیوں کو آواز دینا چاہی۔

لمحہ بہت خطرناک تھا۔ وہ زبردست خطرے میں گھر جاتے، اور پھر انسپکٹر جمشید نے عجیب جرأت کا مظاہرہ کیا۔ اس بلند درخت کے اوپر سے، سی مونا کا پر چھلانگ لگا دی۔

مونا کا نے انھیں اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں پل بھر کے لیے خوف سما گیا۔ پھر اس نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگانے کے لیے پر تولے، لیکن اسی وقت انسپکٹر جمشید اس پر آ گرے۔

مونا کا کا جسم زور سے تڑپا۔ اس کی آنکھوں میں موت کے سائے تڑپے۔ پھر جسم پر جھرجھری سی طاری ہو گئی۔ انسپکٹر جمشید اس پر جھک گئے اور بولے:

"مرنے سے پہلے یہ سُن لو مونا کا۔ کہ تم نے جو فلم میرے گھر سے حاصل کی تھی۔ وہ تمام تر فرضی رازوں پر مشتمل تھی۔"

"کیا!!!" وہ اس کیا کو نہ روک سکے؛ تاہم دبی آواز میں بولے تھے۔ مونا کا میں کیا کا لفظ کہنے کی بھی ہمت کہاں تھی۔ ان کے دونوں پیر اس کی پسلیوں پر آ کر لگے تھے۔ اتنی اونچائی سے پسلیوں پر کسی کا گرنا۔ جان لیوا ہی ہو سکتا تھا۔ اور پھر اس کی گردن ڈھلک گئی۔

"آؤ بھئی۔ اب ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید تیزی سے جھکے اور مُردہ مونا کا کو کندھے پر اُٹھا لیا۔

"لیکن اس کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیا تم یہ نہیں جاننا چاہتے کہ یہ دراصل کون ہے؟"

"اوہ ہاں! یہ سوال تو حد درجے اہم ہے، لیکن اب ہم جائیں گے کس طرف؟"

"سمندر کی طرف۔ وہاں موناکا کی آب دوز ضرور موجود ہو گی۔ کیوں کہ وہ ہمیشہ سمندر کے ذریعے سفر کرتا تھا۔ اور اسی لیے وہ سمندر کے کنارے اس بستی میں رہتا تھا۔"

وہ پوری رفتار سے دوڑتے رہے۔ یہاں تک کہ سمندر کی لہروں کا شور سنائی دیا۔ اور ایک چٹان کے ساتھ انھیں ایک آب دوز کھڑی نظر آ گئی۔ وہ اس میں سوار ہو گئے۔ آب دوز سٹارٹ کی اور پھر اسے پانی کے نیچے لے گئے۔

"ہاں بھئی۔ اب ذرا اس کے چہرے کا جائزہ لے لو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

محمود نے اس کے چہرے سے نقاب اُتار دیا، لیکن یہ وہ چہرہ نہیں تھا۔ جو ان کے ہاں مہمان ٹھہرا تھا:

"یہ تو کوئی اور ہی آدمی ہے ابا جان۔"

"میک اَپ در میک اَپ کیا ہوا ہو گا۔ اس کے چہرے کو کھرچ ڈالو۔"

"جی بہتر۔"

محمود نے جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکالا اور اس کی مدد سے میک اَپ کی تہیں اُتارنے لگا۔ آخر تہیں اُترنا ختم ہو

گئیں۔ اب انھیں اس کا اصلی چہرہ نظر آیا۔

"ہم۔ ہم اس کو بھی نہیں پہچانتے ابا جان۔" محمود نے کہا۔

"ٹھہرو۔ میں ایک نظر دیکھ لوں۔"

یہ کہہ کر وہ اس کی طرف مُڑے اور پھر ان کے منہ سے نکلا:

"حیرت ہے۔ تم اسے پہچان نہیں سکے۔"

"یہ۔ یہ کون ہے ابا جان؟"

"بھئی سرموگان کے بیٹے شوگان سے ہونے والی ملاقات کو بھول گئے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ واقعی۔ اس کی شکل شوگان سے ملتی جلتی ہے، گویا یہ ہیلونا ہے شوگان کا بھائی۔"

"ہاں! سگریٹ کا کاروبار تباہ ہونے کے بعد سرموگان کا یہ بیٹا جرائم کی طرف نکل گیا۔ اور جب جرائم میں ماہر ہو گیا تو اس نے ہمارے ملک کو بھی نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ کیوں کہ ان کا کاروبار ہمارے ملک کے ڈاکٹر بخاری صاحب کی وجہ سے تباہ ہوا تھا۔ ادھر یہ اپنی کمپنی کے سگریٹ پینے کا عادی ہو چکا تھا، اسی لیے اس نے سگریٹ کے پیکٹ سٹاک کر لیے اور عام لوگوں سے چھپا کر اب تک وہی

سگریٹ پیتا رہا۔ ایک آدمی کے لیے کیپنی میں بچ جانے والے سٹاک کا ایک حصّہ عمر بھر کے لیے کافی ہوتا ہے۔ گھر سے سیر کے بہانے غائب رہنے لگا۔ اتفاق کی بات کہ عرفان مجید بھی یہاں مجرم کی زندگی اختیار کر چکا تھا۔ اس طرح یہ دونوں ایک دُوسرے کے قریب آ گئے۔ اور پھر مبلونا عرف مونا کا کو معلوم ہوا کہ وُہ میرا دوست ہے۔ تو اس نے اس دوستی کی آڑ میں ہمارے گھر مہمان ٹھہرنے کا پروگرام بنایا۔ تاکہ راز اڑا سکے۔ لیکن بطور مہمان یہ راز نہ اڑا سکا۔ پھر ڈاکٹر بخاری صاحب پر حملہ کیا۔ جب میں ادھر گیا تو یہ میرے میک اَپ میں آیا اور راز اڑا لے گیا۔ لیکن اس بے چارے کو معلوم نہیں تھا کہ مَیں نے تو اس کی آمد سے پہلے ہی وہاں سے تمام راز ہٹا دیے تھے۔ اور نقلی راز وہاں رکھ دیے تھے، کیوں کہ عرفان مجید کے لہجے سے مجھے سازش کی بُو محسوس ہو گئی تھی۔"

"بہت خوب۔ تب تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے بالکل بھی شکست نہیں کھائی۔" فاروق مُسکرایا۔

"ہاں! میں اسی لیے تو کہہ رہا تھا کہ ابھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ شکست کھا چکے ہیں۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ۔ اب ہمارے اس دوست مُلک کا کیا بنے گا۔ مونا کا کے ساتھی تو وہاں قیامت مچا دیں گے،

اور اس کا الزام وُہ آپ کو دیں گے۔ ہماری حکومت سے شکایت کریں گے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ لیکن بہت جلد انھیں عقل آ جائے گی کہ آج جو قیامت مچائی گئی ہے۔ یہ قیامت اس قیامت سے بہت چھوٹی ہے۔ جو چند سال بعد مچائی جانے والی تھی۔ اور اس طرح شکایت کرنے والے یہ کہتے نظر آئیں گے کہ انسپکٹر جمشید نے ہمارے مُلک پر بہت احسان کیا ہے۔ اپنے مُلک پہنچ کر ہم انھیں فون کر دیں گے۔ تمام صورتِ حال بتا دیں گے۔ اور یہ بھی بتا دیں گے کہ مونا کا مارا گیا۔"

"مونا کا۔ کس قدر اچانک مارا گیا۔"

"کیا کیا جائے۔ لمحہ ہی ایسا آ گیا تھا۔ اگر مَیں چھلانگ نہ لگاتا تو پھر ہماری زندگیاں خطرے میں پڑ گئی تھیں۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"اور اب میں آب دوز کو سطح پر لا رہا ہُوں۔ تاکہ گزرتے ہوئے کسی جہاز پر ہمیں لفٹ مل جائے۔ کھلے سمندر میں راستے کا تعیّن کرنا مُشکل ہے۔"

"جہاز پر لفٹ۔ بھئی واہ۔ یہ بھی خوب رہی۔" محمود مُسکرایا۔

"وُہ۔ وُہ۔ رہ گیا۔" فاروق ہکلایا۔

"کیا رہ گیا۔ پوری بات نہیں کر سکتے تم۔"

"سہرا۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"باندھ لو۔ تم ہی اپنے سر پر۔ پتا نہیں۔ کب تمہارا دل سہروں سے بھرے گا۔" فرزانہ نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"مم۔ مشکل ہے۔ میں کس طرح باندھ لوں۔ اس کیس کا سہرا تو ابا جان کے سر بندھ سکتا ہے۔" فاروق بولا۔

"بھئی مجھے تو معاف ہی رکھو۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

اور وہ مسکرانے لگے۔

"موناکا کے قیدی" اور "موناکا کے دیس میں"

— کا انعامی سوال —

س : کیس کا سہرا کس کے سر رہا ؟

○

- دس قارئین کو آیندہ دو ماہ کے ناول فی کس انعام میں دیے جائیں گے۔
- موصول ہونے والے تمام درست جوابات کی قرعہ اندازی کی جائے گی۔
- جواب کاپی سائز کاغذ پر لکھیں۔
- ہر کاغذ پر اپنا نام اور پتا ضرور لکھیں۔
- تمام جوابات ایک ہی لفافے میں ارسال کیے جا سکتے ہیں۔
- جوابات ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں۔

— ادارہ —

ایک ہزار روپے کا نقد انعام

پہلے سو درست جوابات میں قرعہ اندازی کے ذریعے ایک انعام دیا جائے گا۔

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف، فرحت اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم ۱۶۶

خطرناک دس

—مصنف: اشتیاق احمد—

- شوکی برادرز کو صدر مملکت کا اچانک بلاوا—
- ایوان صدر کے سامنے محمود، فاروق اور فرزانہ سے سامنا—
- ایوان صدر میں آفتاب، آصف اور فرحت بھی موجود—
- حلیے درست کرنے کے لیے شوکی برادرز کو غسل خانوں کا رخ کرنا پڑا، لیکن—
- اس لیکن سے ایک ہنگامہ خیز کہانی کی ابتدا—
- انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کہاں تھے؟
- اس سوال کی گونج آپ اپنے ذہنوں میں محسوس کریں گے—
- چار حصوں پر مشتمل مشترکہ مہم—آپ ترتیب سے پڑھنے کا ضرور خیال رکھیں—

قیمت فی حصہ: ۶/۵۰ روپے

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف، فرحت اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم ۱۶۷

ہنگامہ آرا دس

—مصنف: اشتیاق احمد—

- خطرناک دس سے اگلا حصہ ہنگامہ آرا دس—
- گرین دھارا بلڈنگ میں کیا ہو رہا تھا—
- فرزانہ اوپر کیا کرنے گئی تھی—
- مکھن اور اخلاق میدان عمل میں—
- فاروق اور آفتاب جب ایک گروپ بنے—
- سٹار کلب میں ان پر کیا بیتی—
- ہر قدم پر سپنس میں اضافہ، ہر لمحے نئی دھڑکنیں—
- اس حصے کے آخری الفاظ آپ کو تیسرے حصے کی طرف لپک پڑنے پر مجبور کر دیں گے—

قیمت فی حصہ: ۶/۵۰ روپے

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف، فرحت اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم ۱۶۸

سنسنی خیز دن

—مصنف: اشتیاق احمد—

- ○ ٹیکسی ڈرائیور دراصل کون تھا — ایک حیرت انگیز انکشاف —
- ○ رفیق فنادا کی کوٹھی میں کیا ہو رہا تھا —
- ○ گرین دھارا بلڈنگ کے سامنے ایک عجیب منظر انہیں نظر آیا —
- ○ اور جب ایک بار پھر وہ جمع ہوئے —
- ○ صدرِ مملکت سے ان کی حیرت انگیز گفت گو — انہیں دانتوں پسینہ آ جاتا ہے —
- ○ فاروق کی چال پر آپ عش عش کر اُٹھیں گے —
- ○ لیکن چال کا انجام کیا ہوا — فائدہ کیا ہوا —
- ○ ہر قدم پر نئے نئے فتنے — آخری حصے کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے حالات —

قیمت فی حصہ: ۶/۵۰ روپے

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف، فرحت اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم ۱۶۹

مہم جو دن

—مصنف: اشتیاق احمد—

- ○ ایک عجیب لڑکی قہقہہ لگاتی چلی آ رہی تھی — ایک کے پیچھے ایک خوفناک کتا تھا —
- ○ اور پھر کتا ان پر جھپٹ پڑا — کتے سے خوفناک لڑائی —
- ○ جال میں پھنسنے کے بعد ان پر کیا بیتی —
- ○ دشمنوں کا منصوبہ کیا تھا — اصل مجرم کیا چاہتا تھا —
- ○ آخر میں ایسے ہولناک مناظر کہ آپ لرز لرز اُٹھیں گے اور ایک خونی سازش آپ کے سامنے ہوگی —
- ○ آخری لڑائی جو حد درجے خطرناک تھی —
- ○ باس سے زبردست مقابلہ — لیکن مقابلے کا انجام غیر متوقع تھا —
- ○ وہ باس تک کس طرح پہنچے آپ کے منہ کھلے کے کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی —
- ○ اس سلسلے کا آخری حصہ پہلے خریدنا نہ بھولیں —

قیمت فی حصہ: ۶/۵۰ روپے

اشتیاق احمد

کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا مزاح اور جاسوسی

سے بھرپور ناول

اس ماہ کے ناول

نمبر	ناول	سلسلہ	قیمت
١٩٤	موناکا کے قیدی	(انسپکٹر جمشید سیریز)	٦/٥٠ روپے
١٩٥	موناکا کے دیس میں	(〃 〃 〃)	〃 ٦/٥٠
٩٤	دشمنوں کا دن	(انسپکٹر کامران مرزا سیریز)	〃 ٦/٥٠
٣٩	ایک لاکھ کا کیس	(شوکی سیریز)	〃 ٦/٥٠
١٠	ایجاد کا چکر	(انسپکٹر ارسلان سیریز)	〃 ٦/٥٠
٣٢	کیا آپ ذہین ہیں؟	(متفرق سلسلہ)	〃 ٦/٥٠

آئندہ ماہ کے ناول

نمبر	ناول	سلسلہ	قیمت
١٩٦	خطرناک دس	(مشترکہ مہم)	٦/٥٠ روپے
١٩٧	ہنگامہ آرا دس	(〃 〃)	〃 ٦/٥٠
١٩٨	سنسنی خیز دس	(〃 〃)	〃 ٦/٥٠
١٩٩	مہم جو دس	(〃 〃)	〃 ٦/٥٠
١٩	مہلت	(انسپکٹر ارسلان سیریز)	٦/٥٠
٣٥	قاتل کی تلاش	(متفرق سلسلہ)	〃 ٦/٥٠